میرے وطن کی خوشبو

مرتب:

عذرا نقوی

خسرو فاؤنڈیشن، نئی دہلی

© جملہ حقوق بحقِ خسرو فاؤنڈیشن محفوظ ہیں۔

Mere Watan Ki Khushbu

by: *Azra Naqvi*

نام کتاب	:	**میرے وطن کی خوشبو**
مرتب	:	عذرا نقوی
صفحات	:	118
اشاعت	:	2022
قیمت	:	-/150 روپے
پرنٹر	:	الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
ناشر	:	خسرو فاؤنڈیشن، ڈی-319، ڈیفینس کالونی، نئی دہلی۔110024

فہرست

نمبر شمار	عنوانات		صفحہ نمبر
1	انتساب		6
2	تقدیم	پروفیسر اختر الواسع	7
3	پیش لفظ	عذرا نقوی	9
4	ہولی	لطف النسا امتیاز	14
5	ترانۂ اتحاد	ز۔ خ۔ شیروانیہ	15
6	آہ گوکھلے		18
7	تاروں سے گفتگو	سعادت بانو کچلو	21
8	گاندھی جی		22
9	رباعی		23
10	نظم سے اقتباس	خدیجہ بیگم	24
11	برادران وطن سے	شہزادی کلثوم	25
12	بچوں کا پیغام وطن کے نام	زیب عثمانیہ	27
13	آزادی کے بعد	عظمت عبدالقیوم خان	29
14	ہم لوگ		32
15	ہینڈلوم	بانو طاہرہ سعید	34
16	سامراج کی شکست (گوا کی فتح پر)		36

17	سپاہی کی شریک زندگی		38
18	زنجیر غلامی	زاہدہ خلیق الزماں زاہدہ	40
19	سیتا..	شفیق فاطمہ شعریٰ	41
20	وہ رادھارانی امر		45
21	میرا وطن یہی ہے	ساجدہ زیدی	47
22	نذرانہ را..................................	رابعہ برنی	52
23	قومی یکجہتی................................	سیدہ فرحت	57
24	بچوں کی مسکان		60
25	میں ہوں تیری رکمنی.....................	رفیعہ شبنم عابدی	63
26	گنیش جی کے نام		65
27	گومتی	شمع ظفر مہدی	69
28	ابھیہ پ..................................	کہکشاں تبسم	72
29	یہ نفرتیں کیوں؟	ملکہ نسیم	74
30	ہم ہیں ہند کے شیدائی	مسعودہ حیات	76
31	راکھی		77
32	رنگ برنگے موسم یادوں کے	عذرا نقوی	78
33	مرے خواب مجھے لوٹا دو		80
34	خوشبوئے وطن	نصرت مہدی	82
35	غزل		83

36	گلہائے عقیدت	سیدہ شان معراج	84
37	صبح شب انتظار		87
38	حسن کا پیکر تاج محل	سیما فریدی	89
39	قطعہ		91
40	گنگ وجمن کی خوشبو	تبسم اعظمی	92
41	برسات		94
42	نذر جے پور	نعیمہ جعفری پاشا	97
43	مارہرہ	اسنیٰ بدر	99
44	ایسا ہندوستان	قمر سرور	103
45	نغمۂ اتحاد	شبانہ نذیر	105
46	وادیٔ گل		107
47	گیت	فوزیہ رباب	109
48	قطعات	مینو بخشی	111
49	کارگل کے شہیدوں کے نام	پروین کیف	113
50	وہ ستارے	شائستہ یوسف	116
51	ماہیے	الفت شاکر	118

انتساب

بیگم حضرت محل

رانی لکشمی بائی

مسز سروجنی نائیڈو کے نام

تقدیم

جذبۂ حب الوطنی ایک فطری جذبہ ہے، جو ایمان کا جز بھی ہے۔ جس کا اظہار عملی طور پر اور شعر و ادب میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ یہ کتاب **''میرے وطن کی خوشبو''** اردو شاعرات کی اپنے مادر وطن سے محبت کا مظہر ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وطن سے محبت میں تانیثی تفریق کیوں؟ اور یقیناً یہ بات غور طلب ہے۔ اس کا فوری جواب تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہمارے سماج میں عورت اکثر حاشیہ پر رکھی گئی ہے۔ ہر چند کہ اردو شعر و ادب کے حوالے سے علامہ اقبالؔ کے یہ اشعار بہت فخر سے بار بار خواتین کے حوالے سے تحریر و تقریر میں ہم دہراتے رہتے ہیں کہ ؎

وجود زن سے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

لیکن ان اشعار کی معنویت اور فسوں کا اپنی جگہ لیکن آج کا سچ یہ ہے کہ اب عورت نے خود کلامی کے ساتھ سماج سے بھی اپنا مکالمہ قائم کیا ہے۔

اردو شاعری میں حب الوطنی سے سرشار شاعری میں کسی شاعرہ کا نام کبھی کبھی آتا ہے۔ اس کی وجوہات اور تاویلیں جس طرح بیان کی جاتی ہیں وہ ایک الگ موضوع ہے۔ عذرا نقوی کی مرتبہ یہ کتاب **''میرے وطن کی خوشبو''** خواتین کے حوالے اس ضمن میں ایک پیش رفت ہے اور مجھے خوشی ہے

کہ خسرو فاؤنڈیشن نے اس کمی کو پورا کرنے میں ایک پہل کی ہے۔خسرو فاؤنڈیشن کے قیام کا مقصد سماج میں مختلف مذہبی فرقوں اور سماجی طبقات کے بیچ دوری کو کم کرنا بھی ہے اور ساتھ میں اس تفریق کو بھی اگر مٹانا نہیں تو کم کرنا ضرور ہے جو جنس کے نام پر عورت اور مرد کے بیچ پیدا کر دی گئی ہے۔میرے لیے یہ انتہائی خوشگوار بات ہے کہ خسرو فاؤنڈیشن میں میرے رفقاء شری روہت کھیڑا، جناب سراج الدین قریشی اور شری رنجن مکھرجی نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت دونوں میں غیر معمولی دلچسپی دکھائی ہے۔

اس کتاب کی مرتب عذرا نقوی ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت ہیں۔شاعرہ، ادیبہ اور مترجم ہیں اور خواتین سے متعلق سماجی کاموں میں فعال رہی ہیں۔ان کی اب تک دس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔وہ ایک کا ایسے خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں جہاں وطن سے محبت، انسانوں سے دوستی، اعلیٰ اخلاقی اقدار کا فروغ اور سماج سدھار بنیادی اور محوری حیثیت رکھتے ہیں۔شعر و ادب بھی ان کی گھٹّی میں پڑا ہے۔پردیس میں تین دہائیوں سے زیادہ گزارنے کے بعد وہ ابھی چند برس پہلے ہی وطن کی خوشبو کا تعاقب کرتی ہوئی ہندوستان واپس آ گئی ہیں اور تصنیف و تالیف میں ہمہ جہت مصروف ہیں۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب **"میرے وطن کی خوشبو"** نئی اور پرانی اردو شاعرات کے اپنے وطن ہندوستان کے تئیں مستحسن جذبات و احساسات کو قارئین تک پہنچانے میں کامیاب ہو گی۔

پروفیسر اختر الواسع

چیئرمین

پیش لفظ

بھارت کو مادر وطن یا بھارت ماتا کہتے ہیں۔لیکن ہم جب اردو شاعری میں اپنے وطن کی رنگارنگ تہذیب، یہاں کی مٹی کی خوشبو، جذبۂ حب وطن کی ترنگ کی بات کرتے ہیں تو شاعروں کے نام ہی نظر آتے ہیں، شاعرات کا تذکرہ بالکل نہیں ہوتا۔ مادر وطن کی بیٹیاں جن کے وجود اور مزاج میں ہندوستان نہ صرف اپنی دھرتی کی خوشبو، موسموں، تاریخ، روسم ورواج، گیت سنگیت، دستکاریوں کے روپ میں رچابسا ہے بلکہ اس اپنے ملک کی تہذیت کی نشونما میں ان کا بہت اہم رول رہا ہے۔کیا انھوں نے اپنے وطن سے محبت کے جذبات کا اظہار شاعری میں نہیں کیا؟ بالکل کیا ہوگا اور کیا بھی ہے۔''کیا ہوگا'' میں اس لئے لکھ رہی ہوں کہ ایک عرصے تک اردو شاعری کے تذکروں میں خواتین کا کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا تھا۔نہ جانے ماضی کی کتنی ہی اہل قلم خواتین ابھی تک گمنام ہیں۔کتنی ہی شاعرات ایسی ہیں جن کے انتقال کے برسوں بعد ان کے بیٹوں یا پوتوں نے ان کی شاعری شائع کی ورنہ وہ بھی گمنام ہی رہ جاتیں۔

اردو کے پرانے تذکروں کا تو ذکر ہی کیا بعض ہمارے ہم عصر تذکرہ نگاروں نے بھی خواتین شاعرات کو یکسر نظر انداز کیا ہے۔میر تقی میرؔ نے شعرا کا تذکرہ لکھا لیکن شاعرہ کا ذکر کرنا یا اس کا شعر نقل کرنا ایک زبردست اخلاقی گناہ سمجھا حالانکہ خود ان کی صاحب زادی شعر کہتی تھیں۔بعد میں شعرا کے تذکروں میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر بھی خال خال کیا جانے لگا۔نواب مصطفی

شیفتہ نے ''گلشن بے خار'' میں چند شاعرہ خواتین کا نہایت مختصر حال اور نمونہ کلام درج کیا۔ مولوی عبدالغفور نساخ چند قدم اور بڑھے اور ''سخن شعرا'' میں بطور ضمیمہ شاعرات کا مختصر تذکرہ شامل کتاب کیا۔ اور پھر شاعرات ضمیمہ نہ رہیں اور ''شمیم سخن'' اور ''تذکرہ الخواتین'' وغیرہ وجود میں آئے۔ انیس سو چوالیس 1944ء میں محمد جمیل احمد کی کتاب ''تذکرۂ شاعراتِ اردو'' شائع ہوئی۔

اردو ادب میں خواتین نے اٹھارویں صدی ہی سے نمایاں کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن بیسویں صدی کے اوائل تک بہت سی خواتین خاندانی اور سماجی روایات کا پاس کرتے ہوئے اپنی نگارشات اپنے اصلی نام سے شائع نہیں کراتی تھیں۔ بنت فلاں، والدۂ فلاں کے نام ان کہ تخلیقات چھپتی تھیں۔ شروع میں عورتوں نے نثر کی طرف زیادہ توجہ دی اور اصلاحی ناول اور خواتین کے رسائل میں مضامین لکھے گئے۔ ترقی پسند ادب میں بھی خواتین کا نام نثر میں نمایاں نظر آتا ہے لیکن شاعری میں کوئی نمایاں نام نہیں ملتا۔

آج اردو ادب میں نسائی قلم نے اپنی اہمیت منوالی ہے۔ نسائی ادب اور تانیثیت پر مضامین لکھے جاتے ہیں، سیمنار ہوتے ہیں۔ آج کی باشعور، خوداعتماد اہل قلم خواتین نظم ونثر میں ہر موضوع پر کھل کر لکھ رہی ہیں۔ خواتین نے اس مقام تک پہنچنے کے لئے بہت لمبا سفر طے کیا ہے۔ اور اب خود خواتین اپنے ادب پر تحقیق کر رہی ہیں اور اپنی تاریخ خود مرتب کر رہی ہیں۔

اس کتاب ''میرے وطن کی خوشبو'' میں ہماری کوشش ہے کہ اردو کی کچھ نئ اور پرانی شاعرات کی شاعری میں ہندوستان کا رنگ و روپ دیکھیں۔ وطنی شاعری صرف ہندوستان کی جے جے کار والی شاعری ہی نہیں ہے۔ وطنی شاعری میں اپنے وطن کی تاریخ، عمارات، دریا، موسم، روایات، دیو مالا، رسم ورواج، صنعتیں، لباس، سنگیت، لوگ گیت سب کچھ شامل ہے جو شاعری کے تانے بانے میں پرویا ہوا ہوتا ہے۔ وطنی شاعری میں وہ سب خواب اور امیدیں بھی شامل ہیں جو ہم نے اپنے وطن کے لئے دیکھے تھے اور دیکھتے ہیں جن میں کہیں کہیں شکست خواب بھی در آتا ہے۔ اردو

شاعرات نے ہندوستان کے بارے میں صرف موضوعاتی شاعری نہیں کی ہے بلکہ ان کے دیگر جذبات اور احساسات کے شاعرانہ اظہار میں بھی ہندوستان بسا ہوا ہے۔اس انتخاب میں زیادہ تر نظمیں شامل ہیں کیونکہ اس صنف میں کسی موضوع کا مکمل احاطہ کیا جا سکتا ہے۔اس میں پابند نظمیں اور آزاد نظمیں دونوں شامل ہیں۔

اس کتاب میں نئی پرانی بہت سی شاعرات کا کلام ہے۔آزادی سے پہلے کا اور آزادی کے بعد کا ہندوستان ان کی نظموں میں موجود ہے۔چند شاعرات کا یہاں تذکرہ کرنا چاہوں گی۔

سب سے پہلے تو آپ کو اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز (جن کا دیوان 1779ء میں مرتب ہوا) اس انتخاب ''میرے وطن کی خوشبو'' میں ہولی کے رنگ بکھیرتی نظر آتی ہیں۔

ز۔خ۔ش۔ان تین حروف کے پردے میں چھپی ایک بے حد ذہین، قابل، حساس اور فطری شاعرہ تھیں (1894۔1922) جن کو لوگ عورتوں کا علامہ اقبال کہتے تھے، جو اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کرتی تھیں۔ان کی موت پر سجاد حیدر یلدرم نے لکھا تھا:۔

''وہ ایک عندلیب تھی جو قفس میں پیدا ہوئی قفس میں تھی اور قفس ہی میں دم توڑا''

ز۔خ۔ش یعنی زاہدہ خاتون شیروانیہ جو کبھی نادر کبھی نزہت اور کبھی سخنور خاتون کے نام سے اپنا کلام رسالوں میں شائع کراتی تھیں اپنے پرُکھوں کی ریاست کے گاؤں بھیکم پو(رضلع علی گڑھ) میں پیدا ہوئیں وہیں اپنی کوٹھی 'ظفر منزل' میں ساری عمر رہیں۔ان کے والد نواب سر مزمل اللہ خاں شیروانی بھیکم پور کے نواب تھے۔وہ گھر کی چہار دیواری میں محصور اپنے نوابی گھرانے کی روایت بھی نبھاتی رہیں اپنا نام راز میں رکھ کر شاعری کرتی رہیں اور مضامین لکھتی رہیں۔ان کی تحریریں اور نظمیں 1911ئ سے اردو اخباروں اور رسائل میں شائع ہونے لگیں تھیں۔یہ کسی پردہ دار، الہڑ لڑکی کی جذباتی شاعری یا عام زنانہ موضوعات پر مضامین نہیں تھے۔یہ ایک باشعور، باخبر، ذہین شاعرہ اور

ادبیہ کی عالمی مسائل، ملک و معاشرے کے سماجی اور سیاسی صورت حال پر تخلیقات تھیں جو بہت مقبول تھیں۔ زاہدہ کو جنگ بلقان، جنگ طرابلس، تقسیم بنگال، نپولین، کانپور مسجد کی شہادت، سودیشی تحریک، عورتوں کی پسماندگی، کسانوں اور مزدوروں کی حالت سب سے سروکار تھا۔

ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے حوالے سے اس دور کی کئی شاعرات کی نظمیں ملتی ہیں۔ مجاہد آزادی سیف الدین کچلو کی بیگم سعادت بانو کچلو شاعرہ تھیں اور ان کی شاعری حب الوطنی اور قومیت کا مظہر ہے۔ ان کی شاعری کوئی کتاب تو نہیں ہے لیکن کچھ رسائل میں ان کی نظمیں ملتی ہیں جن کے اقتباسات اس کتاب میں شامل ہیں۔ اسی زمانے کی کئی اور شاعرات کی نظمیں اس انتخاب میں شامل ہیں۔ خدیجہ بیگم کا تعلق ایک معزز سرحدی خاندان سے تھا، ان کے والد ضلع بنوں میں انسپکٹر مدارس تھے۔ وہ ایک پردہ دار خاتون تھیں سن 1931 کو پنجاب صوبائی الیکشن کا اجلاس راولپنڈی میں ہوا تھا جس میں جگت گروسوامی شنکر اچاریہ، حکیم اجمل خاں اور لالہ لاجپت رائے شامل تھے۔ خدیجہ نے کھدر کا برقعہ پہن کر اس جلسے میں تقریر کی تھی اور ایک نظم پیش کی تھی جس کا کچھ حصہ اس کتاب میں شامل ہے۔ خدیجہ بیگم نہ صرف خود ہمیشہ کھدر پہنتی تھیں بلکہ بنوں میں گلی گلی اور گھر گھر جا کر خواتین کو چرخہ کاتنے، کھدر پہننے اور سودیشی تحریک کو ترقی دینے کی ترغیب دیتی رہیں۔ اسی دور کی کچھ اور شاعرات زیب عثمانیہ (لدھیانوی)، اور شہزادی کلثوم کا کلام بھی اس انتخاب میں شامل ہے۔

بانو طاہرہ سعید (سن پیدائش **1922**) ایرانی نژاد خاتون تھیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئی تھیں، ان کے والد ایرانی تھے وہ ہندوستان کے مختلف کالجوں میں انگریزی کے پروفیسر رہے۔ بانو طاہرہ سعید کی تعلیم آگرہ، لکھنو اور تہران میں ہوئی۔ وہ اپنے والد کے ساتھ ایران واپس چلی گئی تھیں لیکن حیدرآباد کے بریگیڈیر سعید سے ان کی شادی ہوئی اور طاہرہ ہندوستان واپس آگئیں اور بیسویں صدی کی آخری دہائی تک حیدرآباد میں رہیں۔ وہ اردو، فارسی اور انگریزی میں شاعری کرتی تھیں اور اردو میں افسانے بھی لکھتی تھیں۔ ان کی شاعری اور افسانوں کی کئی کتابیں شائع ہوئیں جن

میں سے ایک کتاب ''یہ آشیاں ہمارا'' وطنی نظموں پر مشتمل ہے۔ اسی زمانے کی کئی اور حیدر آباد کی شاعرات کی نظمیں اس کتاب میں شامل ہیں جیسے، عظمت عبدالقیوم، شفیق فاطمہ شعری اور رابعہ برنی۔

پچھلی دہائیوں میں وفات پانے والی کچھ ممتاز شاعرات جیسے ساجدہ زیدی، سیدہ فرحت، مسعودہ حیات کی نظمیں بھی اس انتخاب میں شامل ہیں۔ ساجدہ زیدی اردو نظم کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔ سیدہ فرحت نے بچوں کے لئے متعدد وطنی نظمیں لکھی ہیں۔ مسعودہ حیات کی ایک کتاب ''تصویر وطن'' بچوں کے لئے لکھی گئی وطنی نظموں پر مشتمل ہے۔ موجودہ شاعرات میں رفیعہ شبنم عابدی، کہکشاں تبسم، نصرت مہدی، ملکہ نسیم، اسنیٰ بدر اور دیگر شاعرات کی نمائندگی ہے۔ ان کی شاعری میں وطن کے حوالے سے موضوعاتی نظمیں بھی ہیں اور دیگر موضوعات اور شاعرانہ اظہار میں بھی ان کے کلام میں اس دھرتی کی خوشبو اور رنگ بسے ہوئے ہیں۔ رفیعہ شبنم عابدی فارسی کی پروفیسر ہیں اور نظم و نثر دونوں میں ان کا گراں قدر کام ہے، انھوں نے ایک کتاب ''مراٹھی ادب۔ ایک تعارف'' بھی مرتب کی ہے۔

ہندوستان اور حب الوطنی کے حوالے سے پرانی اور نئی اردو شاعرات کا متنوع اور منفرد کلام اس انتخاب ''میرے وطن کی خوشبو'' میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عذرا نقوی

گریٹر نوئیڈا

26 ستمبر 2022

ہولی

لطف النسا امتیاز

1761-

دکھلائیں کس مزے سے اب کے بہار ہولی
کھیلے ہیں سب جمع ہو کیا گلعذار ہولی

ساری پری رخاں مل کیسی مچائیں دھومیں
رنگ زرد سرخ لے کر کھیلیں نگار ہولی

سونے کی تھالیوں میں رکھ کر عبیر و ابرک
بھر موٹھیاں میں پھینکے کر کے پکار ہولی

شیشوں میں زعفراں کا رنگ شباب بھر کر
اوپر سے قہقہوں کے ہے بار بار ہولی

☆☆

ترانۂ اتحاد

ز۔خ۔شروانیہ

1894 - 1922

جنت کی دید سے ہے دل شادماں ہمارا
شکر خدا وطن ہے ہندوستاں ہمارا

روشن ہے جوہری پر موتی کی قدر و قیمت
تاریخ دان عالم ہے قدرداں ہمارا

کہتے ہیں ہم کو ہندی حب وطن ہے ایماں
کیا پوچھتے ہو دین و نام ونشاں ہمارا

آلام مسلماں پر بولے تڑپ کے ہندو
سودوزیاں ہے ان کا سودوزیاں ہمارا

درد نفاق دم الاخوین چاہتا تھا
شاکر ہے قاتلوں کا آرام جاں ہمارا

روتے ہیں ہم جو مل کر گنگ و جمن کی صورت
شاداب ہو کے ہنستا ہے گلستاں ہمارا

ہوجائے کاش ثابت روحوں کی کوچہ گردی
بن جائے کاش گاندھی ہر نوجواں ہمارا

کافی ہے تحت و فوق دنیا کے پھونکنے کو
نار الم ہماری دودِ فغاں ہمارا

جاں سے بدن سے خوں سے ہندوستاں کے ہیں ہم
حیرت ہے کیوں نہیں ہے ہندوستاں ہمارا

دہشت سے ہوں گے اوندھے سارے جہاں کے جھنڈے
جس دم اٹھائے گا سر ملکی نشاں ہمارا

کوہ گراں جھکیں گے بحر رواں رکیں گے
اچھا ہے ہو نہ ظاہر جوش نہاں ہمارا

ہوگا شکستہ سازعیاری اجانب
اچھا ہے گر نہ ٹوٹے قفلِ دہاں ہمارا

ہے خواب ہند ہی سے بھیڑوں کا ناچ قائم
اچھا ہے گر نہ چونکے شیر ژیاں ہمارا

زور وفا سے ہوں گے ہم کامراں یقیناً
عادل ہے فیض گستر ہے حکمراں ہمارا

☆☆

آہ گوکھلے

کیوں یاس ہو نہ مجھ کو بہبود ہندیاں سے
سنتی ہوں گھوکھلے بھی رخصت ہوئے جہاں سے

کب تک بندھا رہے گا تانتا مصیبتوں کا
کب تک نجات ہوگی اس سخت امتحاں سے

بڑھتی ہوئی امیدیں اٹھتی ہوئی امنگیں
مٹی میں مل گئیں سب اس مرگ ناگہاں سے

افسوس ملک بھر میں ہو اک چراغ وہ بھی
بجھ جائے جلتے جلتے سوز غم نہاں سے

ماتا کہ پہلے سیوا صحت کی فکر پیچھے
ایسا سپوت بھارت اب لائے گی کہاں سے

حب وطن ہمیں بھی اور گوکھلے کو بھی تھی
پر تھا وہاں تعلق دل سے یہاں زباں سے

اے کاش ہو یہ کلمہ پھر حرز جاں ہمارا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

کرتی ہے صاف اشارہ تصویر گوکھلے کی
پچھتائے کی جنھوں نے تحقیر گوکھلے کی

سرگوشیاں کرے گی اک روز آسماں سے
ہاں ہاں یہاں ادھوری تنویر گوکھلے کی

تعلیم ابتدائی ہو کر رہے گی لازم
روشن کرے گی آنکھیں تنویر گوکھلے کی

افریقہ میں نہ ہوگا فرق سپیدواسود
لائے گی رنگ خونیں تقریر گوکھلے کی

حب وطن کو جزو ایماں کہا گیا ہے
واعظ سمجھ کے یہ تکفیر گوکھلے کی

اے معترض حصار باطل ہو لاکھ محکم
کرلے گی پر صداقت تسخیر گوکھلے کی

مت آزما کہ حق نے گرتوں کو کیسے تھاما
من جرب المجرب حلت بہ الندامہ

☆☆☆

تاروں سے گفتگو

(نظم سے اقتباس)

سعادت بانو کچلو

پر لطف کیا سماں ہے تمہارے بہار کا
نکلا مگر نہ حیف میرے دل کا مدعا
تم سے غرض ہے مجھ کو نہ کچھ آسمان سے
مطلب ہے اپنے ملک سے ہندوستان سے
کیا وہ بھی دن خدا کبھی مجھ کو دکھائے گا
ہندوستان تمہاری طرح جگمگائے گا
اہل زمانہ دیکھیں گے ہندوستان کو
اس کی چمک لبھائے گی سارے جہان کو
پیارے وطن کے نام پہ جاؤں نثار میں
اجڑے چمن میں دیکھوں الٰہی بہار میں

☆☆☆

گاندھی جی

(نظم سے اقتباس)

بنا ہے سب کے دلوں میں ترا مکاں گاندھی
ہے تیری مدح و ثنا درد ہر زباں گاندھی
ہر اک طرف ہیں عقیدت کے تیرے پھول کھلے
نہ آئے گی کبھی اس پھول پہ خزاں گاندھی
پھنسے ہیں سخت مصیبت میں اہل امرتسر
عیاں ہے آپ پر ان کا غم نہاں گاندھی
یقین ہے گوہر مقصود ان کو مل جائے
اگر ہوں آپ حقیقت کے ترجماں گاندھی
کچھ ایسی بات کریں اپنی دست گیری سے
جو قید میں ہیں پڑے وہ چھٹیں اسیری سے

☆☆☆

رباعی

اتحاد ہندو و مسلم خوشی کی بات ہے
قابل افسوس ہے گو سخت حالت قوم کی
سیکڑوں افراد غافل ہیں کچھ پروا نہیں
لاجپت جیون نے رکھ لی لاج اور پت قوم کی

☆☆☆

نظم سے اقتباس

خدیجہ بیگم

مسرور گو بظاہر رہتی ہوں میں زمن میں
کٹتا ہے وقت میرا سیر گل چمن میں
اغیار نے بٹھایا سکہ مرے وطن میں
اس سے نہ چین دل میں نہ شانتی ہے من میں

جا کر چمن میں سنتی بلبل کے ہوں ترانے
کوئل کی میٹھی کوکو آتی ہے جی لبھانے
آتی ہوں گاہ چمن سے بستی میں دل لگانے
لیکن ہو شانتی کیا جی کو کسی بہانے

ملتی ہے دردوغم سے کچھ بھی اگر فراغت
ہوتا ہے گر ذرا سا بھی کم ملال فرقت
حسرت بھری نکلتی منہ سے ہے یہ عبارت
پھر اوج پر الٰہی کب ہوگا پیارا بھارت

☆☆☆

برادرانِ وطن سے

شہزادی کلثوم

1928 - 1949

ملک کی حالت پہ سینوں سے دھواں اٹھتا نہیں
سازِ دل خاموش ہیں شورِ فغاں اٹھتا نہیں

کس لئے آنکھوں سے طوفاں نہاں اٹھتا نہیں
پھول روندے جا رہے ہیں باغباں اٹھتا نہیں

بے حسی کی انتہا ہے ہوش میں آتے نہیں
ذلتوں پر ذلتیں ہوتی ہیں شرماتے نہیں

شعلۂ احساس بجھتا ہے ہوا دے دو اسے
قومیت دم توڑتی ہے کچھ دوا دے دو اسے

ملک مٹنے کو ہے پیغامِ بقا دے دو اسے
مطمئن بیٹھے ہو دل سینے میں گھبراتا نہیں

قوم کے دم توڑنے پر بھی ترس آتا نہیں
سانس لے کر اس فضا میں روح گھبراتی نہیں

جوہر احساس خودداری کو شرم آتی نہیں
تم کو ناداری وطن کی خاک تڑپاتی نہیں

یہ غلامی کی بلا حیرت ہے کھا جاتی نہیں
زندگی کو دعوت صد مرگ دینا چاہئے

موت کی آغوش میں آرام لینا چاہئے
چھوڑ دو ناکامئی قسمت کے شکوے چھوڑ دو

کچھ بھی ہمت ہے تو یہ طوق و سلاسل توڑ دو
اوج کی جانب نگاہ شرگیں کو موڑ دو

رفعت ماضی سے پھر تقدیر فردا جوڑ دو
سچ تو یہ ہے قوم کے بس تم علمبردار ہو
تا بہ کے یہ خواب غفلت سو چکے بیدار ہو

☆☆☆

بچوں کا پیغام وطن کے نام

زیب عثمانیہ

1913-

ہم صلح و مروت کا جب ہاتھ بڑھا دیں گے
اک عمر کے روٹھوں کو آپس میں ملا دیں گے

ملاوبرہمن اب مایوس نہ ہوں ہرگز
ہم مسجد و مندر کے جھگڑوں کو چکا دیں گے

کیوں دکھ ہو غریبوں کو ہم کس لئے ہیں آخر
جو ان کو ستائیں گے ہم ان کو مٹائیں گے

آپس کی عداوت سے ہر ڈوبتی کشتی کو
احسان و مروت سے ہم پار لگا دیں گے

پھر غیر نہ سمجھیں گے اک دوسرے کو انساں
جب ان کو محبت کا آئینہ دکھا دیں گے

مذہب ہو کوئی لیکن ہے ہند وطن اپنا
ہم زیبؔ وطن کی ہر بگڑی کو بنا دیں گے

☆☆☆

آزادی کے بعد

عظمت عبدالقیوم خان

1922-

دوستو! آگے بڑھا، جمہوریت کا کارواں
آج زندہ ہوگئی ہے عظمت ہندوستاں
آگئی ہے آج قدموں میں بساط کہکشاں
اور یہ منزل نہیں، ہے صرف منزل کا نشاں

جائزہ لینا ہے اب بدلے ہوئے حالات کا
زندگی کا، وقت کا، کردار کا جذبات کا
سامنے ہے ملک کی بیروزگاری کا سوال
غربت و افلاس کی آغوش میں ہیں ماہ و سال
آج بھی پردوں میں ہے لیلائے ہستی کا جمال
کتنے دل مغموم ہیں کتنی تمنا میں نڈھال

ہاں بڑھو آگے بڑھو وہ سامنے ہے رہ٠ر
عزم و ہمت کو بنا لیں آج اپنا ہم سفر

زندگی کو زندگی کا نام دینے کے لئے
راحتوں کا عشرتوں کا جام دینے کے لئے
وقت کا تاریخ کا پیغام دینے کے لئے
کامرانی کا نیا انعام دینے کے لئے

جذبۂ خدمت کو اب بیدار ہونا چاہیئے
سخت محنت کے لئے تیار ہونا چاہیئے

آج بھی حالات کو اپنے بدل سکتے ہیں ہم
زندگانی کے نئے سانچوں میں ڈھل سکتے ہیں ہم
ارتقا کی راہ پر بے خوف چل سکتے ہیں ہم
لڑکھڑا کر بھی زمانے میں سنبھل سکتے ہیں ہم

ہو عمل اپنا ہر اک تنقید کا خود ہی جواب
خلد زار ہند کو دے کر بہاروں کا شباب

ہر طرف پھیلائیں گے علم و ہنر کی روشنی
صنعتوں کو بخش دیں گے آب و تاب زندگی

کارخانوں سے بڑھائیں گے وطن کی دلکشی

لہلہاتی کھیتیوں میں جھوم اٹھے گی زندگی

گنگناتی عشرتیں دے کر دل غم ناک کو
ہم نوا اپنا بنا کر جرأت بے باک کو

عزم و استقلال سے بدلیں گے تقدیر حیات
کوشش پیہم سے ہوسکتی ہے تعمیر حیات
دیکھتے ہیں آج بھی ہم عکس تنویر حیات
وہ جو مستقبل کے ہاتھوں میں ہے تصویر حیات

ایک پیغام عمل یہ وقت کی رفتار ہے
دہر میں راز ترقی عظمت کردار ہے

☆☆☆

ہم لوگ

عظمت عبدالقیوم خان

حیات نو کا فسانہ سنائیں گے ہم لوگ
تلاش کر کے بہاروں کو لائیں گے ہم لوگ

مسافران شب زندگی کی راہوں میں
چراغ فکر و نظر کے جلائیں گے ہم لوگ

ہمارے چاک گریباں کو دیکھنے والو
وطن کو رشک گلستاں بنائیں گے ہم لوگ

جہاں کو امن و محبت کا واسطہ دے کر
مہہ ونجوم کی محفل سجائیں گے ہم لوگ

ضمیرِ فطرتِ انسانیت کو چونکا کر
عروج قسمت آدم دکھائیں گے ہم لوگ

وہ گیت جس سے بہاروں کی روح جاگ اٹھے
رباب زیست کے تاروں پہ گائیں گے ہم لوگ

شکوک و وہم کی تاریکیوں سے کیا لینا
یقین صبح کی راہوں پہ جائیں گے ہم لوگ

خیال و فکر کے خواب آفریں دھندلکوں میں
ضیائے حسن سحرتاب لائیں گے ہم لوگ

تصورات کی دنیا حسیں سہی لیکن
حقیقتوں کو حسیں تر بنائیں گے ہم لوگ

خلوص کار سے ملتی ہے زندگی عظمت
خلوص کار کو رہبر بنائیں گے ہم لوگ

☆☆☆

ہینڈلوم

بانو طاہرہ سعید

-1922

یہ ''دستی پارچہ بافی'' ہمارے گھر کی صنعت ہے
یہ صنعت افتخار قوم ہے بھارت کی عظمت ہے

یہی صنعت ہمیں بخشے گی خوشیاں اور خوش حالی
اسی فن سے ہمارے گھر میں ہوگی فارغ البالی

ہماری دست بافی بھا گئی ہے ذوق والوں کو
بہت مرغوب ہیں کپڑے ہمارے مہ جمالوں کو

بناوٹ میں نمایاں چند صدیوں کے خزانے ہیں
ایلورا کے نمونے ہیں اجنتا کے فسانے ہیں

کہیں ہیں نقش، مغلوں، راجپوتوں کی ثقافت کے
کہیں منظر ہیں دلکش ہند کی قومی وجاہت کے

زبان زد ہو رہی ہے آج کل ان کی دل آویزی
بڑا دلکش ہے ان کپڑوں کا طرز رنگ آمیزی

وہ امریکہ ہو یا یورپ ہر اک جا اس کا چرچا ہے
ہماری دست بانی کا جہاں میں بولا بالا ہے

مبارک طاہرہ ہفتہ منانا دستکاروں کو!
خدا آباد رکھے ملک کے ان ہونہاروں کو!

☆☆☆

سامراج کی شکست

(گوا کی فتح پر)

بانو طاہرہ سعید

مادر ہند کے ماتھے کی شکن دور ہوئی
چار سو سال کی ''ذلت کا نشاں!''

شکر ہے مغربی طاقت کی عفونت بھری سانس
ٹوٹ کر ڈوب گئی ختم ہوا افسانہ!

اب گوا میں نہ کوئی ''غیر'' جمائے گا قدم
حریت، عظمت و عزت کا مقدس پرچم

خوشنما ساحلی میدانوں پہ لہرائے گا!
جل پری گائے گی آزادی کا گیت

لہریں اٹھ اٹھ کے سلامی دیں گی
گنگنائیں گی ہوائیں کہ گیا دور خزاں

مادر ہند کے ہونٹوں پہ تبسم ہوگا
اور پیشانی پہ سیندور کا ایک نقطۂ سرخ

اس سپاہی کی ہمیں یاد دلائے گا سدا
خون کا جس نے دیا باغ وطن کو تحفہ

گرچہ گمنام رہا داد کا طالب نہ ہوا
آہ گمنام سپاہی تیری تربت کو سلام

☆☆☆

سپاہی کی شریک زندگی

بانو طاہرہ سعید

وطن کی انجمن میں شمع بن کے روشنی دی ہے
پگھل کر قوم کو میں نے بڑی آسودگی دی ہے
میرے ضبط فغاں نے ملک کے دل کو خوشی دی ہے
خدا نے مجھ کو ہمت مسکراہٹ سادگی دی ہے
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

میں دیگر عورتوں کی طرح شکوے کر نہیں سکتی
زمانے کی شکایت ناز نخرے کر نہیں سکتی
گزرتی جو بھی ہے دل پر میں چرچے کر نہیں سکتی
ہزاروں مشکلیں ہ کر بھی شکوے کر نہیں سکتی
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں بھارت کی عظمت ہوں
وطن کی آبرو ہوں آن ہوں شوکت ہوں طاقت ہوں
مجسم مشرقی عورت ہوں تفسیر محبت ہوں
میں ہوں سسرال کی عزت میں میکے کی شرافت ہوں
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

فرائض کی بنا پر ''وہ'' بہت مجبور رہتے ہیں
رفیق زندگی ہو کر بھی اکثر دور رہتے ہیں
ہم ان کی نیک نامی پر مگر مغرور رہتے ہیں
غم فرقت ہے لیکن پھر بھی ہم مسرور رہتے ہیں
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

بھروسہ ہے خدا پر مجھ کو خود ہوں پاسباں اپنی
میں خود بانگ جرس خود ہی امیر کارواں اپنی
شعور پختہ مشعل رہنما فکر جواں اپنی
میں تنہائی کی خوگر ہوں خموشی داستاں اپنی
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

وطن کی سرحدوں پر میں جمائے ہوں نگاہوں کو
حفاظت جن کی سونپی جاچکی ہے سورماؤں کو
خدا سے التجا ہے سن لے وہ میری دعاؤں کو
سپاہی اور وطن سے دور رکھے کل بلاؤں کو
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

زبان زد نام نامی ہے میرا ہمت میں جرأت میں
نہیں جھانسی کی رانی سے میں کم عزم و شجاعت میں
نہیں ہوں طاہرہ کم چاند سلطانہ سے عزت میں
اٹھا سکتی ہوں میں تلوار بھارت کی حمایت میں
شریک زندگی ہوں دیش بھارت کے سپاہی کی

☆☆☆

زنجیرِ غلامی

زاہدہ خلیق الزماں زاہدہؔ

کہاں تک اے ستمگر چرخ تدبیریں غلامی کی
کہ اب بار گراں ہیں دل کو زنجیریں غلامی کی

وہ بہاریں وہ چمن وہ گلشن ایجادی کہاں
اے غلام آباد وہ اب تیری آزادی کہاں

بحر و بر تیرے وہی اور تو بے اقتدار
ایک ذرے ایک قطرے پر نہیں ہے اختیار

پستیوں کو ارتقا پھر جلوۂ آغاز دے
کاش مستقبل ترا ماضی کو پھر آواز دے

☆☆☆

سیتا

شفیق فاطمہ شعریٰ

1937-

ترا نام لے کر سحر جاگتی ہے
ترے گیت گاتی ہے تاروں کی محفل
تری خاک پا ہند کا راز عظمت
تری زندگی میرے خوابوں کی منزل
کہانی تری سن کے تھرا اٹھی میں
دھڑکنے لگا دھیرے دھیرے مرا دل

چھپائے ہیں سینے میں کچھ راز اپنے
دکن کے کہستاں کی تپتی چٹانیں
مسافر کچھ آئے تھے ان جنگلوں میں
فضا میں ہیں بکھری ہوئی داستانیں
وہ ہمدرد آنکھیں وہ باتوں میں جادو
وہ مضبوط بازو وہ بھاری کمانیں
وہ اک خود فراموش پی کی پجارن
کٹی پتیوں کی ندی کا کنارا
نگاہوں سے چھنتا ہوا نورِ الفت
جبیں پر فروزاں وفا کا ستارہ
برستے ہوئے پھول خوشیوں کے ہر سو
زمانہ بھی تھا رک کے محوِ نظارہ

وہ پیہم سفر وہ حوادث کے طوفاں
وہ پیروں میں چھالے وہ ہنستی نگاہیں
کبھی دل کو غربت میں بہلائے رکھنا
کبھی دیس کی یاد میں سرد آہیں
رہی سالہا سال تو جادہ پیما
یہ دھن تھی کہ طے ہوں ریاضت کی راہیں

مگر آزمائش تھی کچھ اور باقی
ابھی سامنے اور بھی امتحاں تھے
اسیری پھر اک راکشس کی اسیری
بہت دور تجھ سے ترے پاسباں تھے
تری پاک فطرت مگر اک سپر تھی
ترے سامنے راکشس ناتواں تھے
اٹھے پھر ترا نام لے کر جواں کچھ
جری حوصلہ مند سچے جیالے
ہلا ڈالے ایوان اک سلطنت کے
ترے پاسباں تھے بڑے آن والے
تری واپسی کر رہی تھی یہ اعلاں
کہ مٹتے نہیں ظلمتوں سے اجالے

سہے جو ستم بن گئے سب فسانہ
تلافی کا اب آ رہا تھا زمانہ
ہوئی آہ لیکن یہ کیسی تلافی
دوبارہ ملا جنگلوں میں ٹھکانہ

صلیب ایک باقی تھی جو ماما کی
اسے بھی تو لازم تھا تنہا اٹھانا

عجب ہیں یہ اسرار وصل و جدائی
کہ منزل کو پا کر بھی منزل نہ پائی
یہ کیسا ستم تھا کہ عفت کی دیوی
ثبوت اپنی عفت کا دینے کو آئے
وہ شعلے کی مانند شعلوں سے گزری
وہ بجلی سی بن کر زمیں میں سمائی

☆☆☆

وہ رادھا رانی امر

شفیق فاطمہ شعریٰ

چلی آتی ہے چندا ساتھ لیے
جب بسنت رت آئے
پھول اس کو گھیرے
سادھ سبھا ؤر چاؤ بھرے
اک پیاری شان سے لہراتے
جب بسنت رت آئے
وہ رادھا رانی امر
چلی آتی ہے جھونکے ساتھ لیے
کسموں کے دونوں روپ
پرش پرمیشر
گھلے ملے اس اچھوتے جیون میں
وہ رادھا رانی امر
چلی آتی ہے جھرنے ساتھ لئے

جب بسنت رت آئے

مدھو مالتی بادل بادل چھائی ہوئی

چمکیلے تارے چمیلی کے

چندا سے کمل

جب بسنت رت آئے

وہ رادھا رانی امر

چلی آتی ہے جگتی آتما ساتھ لیے

☆☆☆

میرا وطن یہی ہے

ساجدہ زیدی

1929 - 2011

یہ دل کی راہیں اداس کیوں ہیں امید کے قافلے کہاں ہیں
ہم اپنے کوچوں میں اجنبی ہیں ہم اپنے ہی گھر میں میہماں ہیں

یہی وطن ہے یہی ہے مرکز ہمارے ہر خواب آرزو کا!
یہی وطن ہے یہی ہے مسکن وفا و امید و جستجو کا!
یہی وطن ہے اسی کے کوچوں نے خواب نو دیکھنے سکھائے!
اسی کے ذروں کی چاہتوں نے
ہمارے بچپن کی نرم و نو خیز خواہشوں کو
جواں عزائم کی آنچ بخشی!
اسی کے سینے کی دھڑکنوں نے

ہمارے دل کے عمیق گوشوں کو روشنی کی نئی کرن دی!
ہم اس کی گودی کی راحتوں کو
یہاں سے ٹھکرا کے کیسے جاتے؟
ہم اس کی ممتا کا سوز کھو کر
سکون و آرام کیسے پاتے؟
اس اجنبی دیس کی فضاؤں میں دل کا آہنگ کیسے ملتا؟
ان اجنبی وادیوں کے دامن میں چاہ کے پھول کیسے کھلتے؟
یہ واردا تیں یہ نقشِ الفت اگر کہیں ہے تو بس یہاں ہیں!

اساڑھ کے ہلکے ہلکے بادل
جھڑی وہ بھادوں کی دوپہر کی
وہ کوئلوں کے گداز نغموں میں رس بدلتی ہوئی رتوں کا
وہ نیلگوں صبح کی فضائیں
وہ دل نشیں شام ے دھندلکے
ہمارے آموں کے باغ، بانسوں کے جھنڈ، دریاؤں کے کنارے
ہمارے سرسوں کے کھیت، پیپل کی چھاؤں ذرات کے اشارے
ہمارا دامن پکڑ رہے تھے
یقیں سے جھولی کو بھر رہے تھے
وہ پوچھتے تھے تمہارے گھر ان مسرتوں کے سوا کہاں ہیں؟

ہمارے گیتوں کی مست تانیں
ہمارے میلوں کی رنگ رلیاں
ہمارے تہواروں کی ادائیں
ہمارے فنکاروں کی صدائیں
ہمارے رستوں میں آ گئی تھیں
''وہ کہہ رہی تھیں یہاں کے ذرے بھی اس تمدن کے پاسباں ہیں''

وہ تنگ گلیوں میں زندگی کی حقیقتیں، پابرہنہ بچے
وہ اپنی معصوم انکھڑیوں میں حیات کی تلخیاں چھپائے
خراج انصاف مانگتے تھے!
وہ اپنی میراث مانگتے تھے!
ہزار تاریکیوں کے دامن میں پلتی یہ زندگی کی کلیاں
پکارتی تھیں کسی سحر آفریں مذاق عمل کی طالب
یہ تنگ و تاریک بستیاں ہیں یہ سب ادھوری کہانیاں ہیں

ہمیں نے جمنا کے ساحلوں کو حسیں عمارات سے سجایا
ہمیں نے پتھر کے سخت سینے کو نرم الورا کی دھڑکنیں دیں
ہمیں نے رنگینیاں نچوڑیں تو نقش اجنتا کے بن گئے تھے
جو حسن و جوش عمل سمویا تو لال قلعے سنور گئے تھے

ہمیں نے مرمر کی سروسل کو
امر کیا تاج کی تڑپ دی
یہیں کی مٹی نے فکر غالبؔ کو عزم اقبالؔ کو نکھارا
دلوں و ٹیگورؔ کی نواؤں نے بخشا وجدان کا شرارہ
ہمیں نے کالی کی شاعری میں
سمویا شیراز اور ایراں کا لہجۂ جذب و کیف و مستی
ہمیں نے اس سرزمین گوتمؔ کو شعر کا بانکپن دیا تھا!
ہمیں نے تہذیب ہند کو یہ مزاج گنگ و جمن دیا تھا!
یہاں کے افکار و علم و آئیں ہماری عظمت کے راز دل ہیں

نہیں ہے اپنے وطن کی مٹی تو کون اپنا نگہباں ہے؟
نہیں ہیں گر یہ حسیں فضائیں تو کون اپنا مزاج داں ہے؟
نہیں ہے گر یہ ہماری منزل تو پھر بتاؤ تمہیں کہاں ہے؟
یہ کس کے سفاک ہاتھ نے توڑ ڈالا اس گھر کا ساز الفت؟
یہ کس نے مذہب کا نام لے کر مٹا دی معراج آدمیت؟
کہاں ہیں جوش و وفا و ہمت؟
کہاں ہے اجداد کی حمیت؟
ہیں کیوں لٹیروں میں مائیں بہنیں
یہ کون اس گھر کے پاسباں ہیں؟

کہاں ہو چارہ گر بتاؤ کہاں اخوت کے کارواں ہیں؟
کہاں ہو اے رہبرو دکھاؤ بجھے بجھے راہ کے نشاں ہیں؟
ہم اپنے کوچوں میں اجنبی ہیں ہم اپنے ہی گھر میں میہماں ہیں؟

☆☆☆

نذرِ اندرا

رابعہ برنی

1924-

(ہندوستان کے عظیم پس منظر، اس کی خیال آفریں اور رنگا رنگ ضمنیات کا سہارا لے کر اس نظم کی ترتیب عمل میں آئی ہے اور پھر اس گہرے ربط کا اظہار ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کے رشتوں سے اندرا جی کی بصیرت کو ملاتا ہے۔ اس نظم میں ان کی مایہ ناز اور ہمہ گیر شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔)

یہ چمن یہ حسن فطرت کی انوکھی داستاں
یہ پہاڑوں، ساگروں، صحراؤں میدانوں کی دلکش سرزمیں
دیوتاؤں کی، خدا کی، بودھ کی، عیسیٰ کی، نانک کی زمیں
ان گنت انسان، تہذیبیں، مذاہب، داستانیں، بولیاں
جس میں ہر ہر دور میں نوعِ بشر نے

نت نئے انداز سے اپنی سجائی بستیاں
دھان کی شاداب گہری سبزیاں
ہلکی ہلکی دھوپ میں کندن کی صورت جگمگاتی وادیاں
لمحہ لمحہ زندگی کا ہر عمل آگے رواں پیہم دوراں
کیا نہیں ہے اس جہان بیش وکم میں کیا نہیں
رنج محنت آشنا، خوشیاں عبادت آفریں
آج کیوں رنگ چمن دھندلا گیا
ماہ تاباں بادلوں میں جا چھپا
پاؤں کیوں باد بہاری کے قلم ہونے لگے
غنچہ وگل کی جگہ کانٹے بہم ہونے لگے
ہائے کیا افتاد صحن بوستاں پر آپڑی
کون وہ ظالم نظر تھی باغباں کو کھا گئی

وہ ''اشس'' کی پاک دیوی
صبح کے ماتھے پر شبنم کی لڑی
زندگی کی ابتدا کا اذن عام
آسمانوں کے دریچے کھولتی
محنت والفت پہ اکساتی
بہاروں کے سنہرے راگ گاتی

نور کی پوشاک پہنے، نور کی رتھ پر سوار
مہربان و کامراں
وید کے صفحوں سے جیسے اٹھ کے مسکانے لگی
یا کہ ''اندر'' دیوتا کا ایک نیا سوروپ ہے
کرۂ خاکی کی جس نے استقامت بخش دی
گنبد افلاک کو قائم کیا
اور پھر ارض و سما اس کے قدم چھونے لگے
''سوم'' امرت پی کے جس نے آدمیت کو کیا آفاق گیر

خشک بنجر ہو گئے تھے کوہسار و مرغزار
بجلیاں تڑپیں، زمیں تپ تپ گئی
ہر طرف بادل گرجتے گونجتے بڑھنے لگے
تب کہا 'اندر' نے بارش سے کہ ''اب آزاد ہو''
اور ''نکھرا دے زمیں و آسماں''
بحر و بر جھومے، ہوائیں گل بداماں ہو گئیں
آ گئی نظروں کے آگے منزل جہد و عمل

وہ نگار کشور ہندوستاں
مایہ دار محفل دانشوراں

ماضی وحال اور مستقبل کی وہ شیرازہ بند
عصر حاضر کی ابھرتی خواہشوں، آسائیشوں کی ترجماں
ہر تقاضے ہر عمل کی پیش رو
جس نے سمجھے پاسداری کے اصول
ساتھ داری جانثاری کے اصول
امتیاز مرد وزن اک حرف باطل ہو گیا
عالم انسانیت کو ہمدم کامل ملا

وہ شعور ایں وآں
جس نے مستقبل کے کتنے راستے طے کر لئے
دیکھتے ہی دیکھتے کتنے زمانے سر ہوئے
جس نے ہر امکان کو اپنے احاطے میں کیا
جس نے چھو لی گرمی اندیشہ سے نبض جہاں

اک امانت ہے لہو کا ایک اک قطرہ ترا
ایک اک ذرہ ہماری روح کا مقروض ہے
تیرے خوابوں آدرشوں کو پورا کر دکھانا ہے ہمیں
جان ودل پر کھیل کر قرضے چکانا ہے ہمیں
دور گردوں ٹوٹتے تاروں کا منظر ساز ہے

آج سیمائے زمیں سے اک ستارہ آسمان پرواز ہے

یہ ستارہ داستان ہند کی تقدیر کا اعجاز ہے

ناز ہے خاتون مشرق ہم کو تجھ پر ناز ہے

☆☆☆

قومی یکجہتی

سیدہ فرحت

1938 - 2003

ذہن انساں کے مقفل یہ دریچے کھولو
حبس بے حد ہے ذرا تازہ ہوا آنے دو

روشنی کیوں نہیں ہوتی یہ اندھیرا کیوں ہے؟
ظلمت شب کا یہ ہم رنگ سویرا کیوں ہے؟

کیوں دماغوں پہ ہیں وہموں کے اندھیرے چھائے؟
چاک ہوجائیں جو پردے تو اجالا آئے

غیریت نے جو اٹھا رکھی ہے اونچی دیوار
روشنی سے ہمیں ہونے نہیں دے گی دو چار

لے کے تیشہ اٹھو ایک آن میں ڈھا دو اس کو
روشنی روکے ہوئے ہے یہ گرا دو اس کو

بات اب شیخ و برہمن کی نہ چلنے دینا
فرقہ سازوں کو نہ اب زہر اگلنے دینا

پھوٹ جو تحفۂ اغیار ہے کیوں پاس رہے
کیوں نہ اب قوم کو یک جہتی کا احساس رہے

کام لو دیدۂ بینا کو یہ وحشت چھوڑو
عقل کے زور سے زنجیر توہم توڑو

بھوت ہم جس کو سمجھتے ہیں وہ سایہ تو نہیں
اپنے ہی عکس نے کیا ہم کو ڈرایا تو نہیں

بیٹھ کر شیش محل میں نہ حفاظت ہوگی
کوئی طوفاں جو اٹھے گا تو قیامت ہوگی

خلوت خاص سے اب برسر عام آجاؤ
مل کے کرنا ہے ہمیں آج تو کام آجاؤ

روح وحدت کو ہے کثرت میں نمایاں کرنا
جذبۂ عشق دلوں میں ہے فراواں کرنا

قطرہ دریا سے الگ ہو کے فنا ہوتا ہے
پھول کا شاخ ہی پہ نشو و نما ہوتا ہے

پھول سب رنگ برنگے ہیں چمن کی زینت
ان سبھی اہل وطن سے ہے وطن کی زینت

کوئی مذہب ہو زباں کوئی ہو کوئی ہو مقام
جذبۂ حب وطن دل میں ہو ہر شخص کے عام

متحد ہو کے اگر ہوگی نہ تعمیر وطن
آج بدلی ہے نہ کل بدلے گی تقدیر وطن

☆☆☆

بچوں کی مسکان

سیدہ فرحت

کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

کل یہ مہکتے پھول بنیں گے آج ہیں ننھی کلیاں
سایہ ان پر کئے ہوئے ہیں آشاؤں کی پریاں
زہریلے کانٹوں سے نہ الجھیں یہ ننھی سی جان

کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

ننھی منی کومل کلیاں کہیں نہ مرجھا جائیں
خوشبو مہکے کیاری کیاری مہکیں اور مہکائیں
گلشن کے سب رکھوالوں پر فرض ہے ان کا دھیان

کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

جیون میں اجیالا ان سے یہ دھرتی کے تارے
گورے ہیں یا کالے ہیں یہ بچے پیارے پیارے
ماؤں کی ممتا سے پوچھو سب ہیں ایک سمان

کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

بستی بستی نگر نگر یہ امرت جل برساؤ
جیون جوت جلاؤ ہر سو علم کا دیپ جلاؤ

جب ہوں بڑے یہ آج کے بچے نکلیں سب ودوان
کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

صحت کی سندرتا پائیں سب کو رنگ و روپ ملے
تازہ ہوا بھر پور غذا ہو ان کو سنہری دھوپ ملے

پھولے پھلے پروان چڑھے یہ بھارت کی سنتان
کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

امن کی ٹھنڈی چھاؤں میں کھیلیں ان کو سب کا پیار ملے
دکھ نہ انہیں پہنچائے کوئی ان کو سکھی سنسار ملے

دیس کی ساری مائیں دل پر رکھتی ہیں ارمان
کیسی سہانی کیسی رسیلی بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکاتے بچے بھارت دیس کی شان

☆☆

میں ہوں تیری رکمنی

رفیعہ شبنم عابدی

-1943

کاٹھا

تیرے نام کا سیندور

اپنی مانگ میں بھر کر خوش ہوں

اپنے گھر میں سیج سجائے

پل پل تیرا رستہ دیکھوں

تیرے نام کی مالا جپ جپ

آنگن کی تلسی کو پوجوں

تیرے ہی گن گان کروں میں

لیکن پھر بھی

نا میں تیری رادھا کا نھا!

نا میں تیری میرا

کون بھلا تیرے نام سے پہلے

میرا نام پکارے؟

بنسی بجیّا!

تیری رکمنی پگ پگ تجھ کو ہارے

تیرے پریم میں ڈوبی سانجھ سکارے

دور سے تجھ کو نہارے

پھر بھی میرے راس ر یہ !

تو میرا ہی ساجن، کانھا! تو میرا ہی ساجن !

میں ہوں تیری رکمنی

ترے سات جنم کی بندنی!!

☆☆☆

گنیش جی کے نام

رفیعہ شبنم عابدی

یہ شاعرہ جو تمہاری دھرتی پہ جی رہی ہے
گنیش جی تم سے پوچھتی ہے
تمہی ہو وہ جاں نثار بیٹے؟
کہ جس نے ماں کی محافظت میں
گلا بھی اپنا کٹا دیا تھا؟
ادا ہوا ممتا کا قرض کیسے
یہ راز سب کو بتا دیا تھا؟
یہ شاعرہ جو تمہاری دھرتی پہ جی رہی ہے
گنیش جی! تم سے پوچھتی ہے

گنیش جی! وہ تمہاری ماں تھی؟
کہ جس کو دھرتی کے باسیوں نے بھی ماں پکارا؟
سنا یہی ہے وہ گن وتی تھی
وہ پاک دامن تھی اور ستی تھی

پتی کو پرمیشور سمجھ کر
بڑی شردھا سے پوجتی تھی؟
گنیش جی! یہ بھی ایک سچ ہے
ہماری مائیں تمہاری ماں کی طرح ہی شوہر پرست ٹھہریں
ہماری مائیں بھی پاک دامن
ہماری ماؤں کے دل بھی روشن
تو کس نے پھران کے آنچلوں پر
اجڑتی کوکھ اور خالی گودی کا جان لیوا
عذاب تحریر کر دیا ہے؟
دمکتے ماتھوں پہ بیوگی کا نشان تصویر کر دیا ہے؟

یہ شاعرہ جو تمہاری دھرتی پہ جی رہی ہے
گنیش جی! تم سے پوچھتی ہے

گنیش جی! وہ تمہارے بابا
جنہوں نے دھرتی کا زہر سارا
خود اپنے حلقوم میں اتارا
کہ اس کے بعد اب
جہان میں کوئی تلخی نہ رہنے پائے
کوئی کسی کو نہ ڈسنے پائے
تو پھر ہماری سورگ دھرتی پہ سانپ کیسے مچل رہے ہیں؟

یہ زہر کیسا اگل رہے ہیں؟

یہ شاعرہ جو تمہاری دھرتی پہ جی رہی ہے
گنیش جی! تم سے پوچھتی ہے

گنیش جی! تم تو گن پتی ہو
تمہی تو ہو نا؟ کہ جس نے دھرتی کے وگن سارے

شکم میں اپنے سمو لئے تھے
کہ اب کہیں بھی کوئی غلاظت نہ رہنے پائے
کوئی بھی آفت نہ رہنے پائے

میں تو ان مہکتی ہواؤں میں اس قدر تعفن کہاں سے آیا؟
گلاب ذہنوں میں یہ تلون کہاں سے آیا؟

یہ شاعرہ جو تمہاری دھرتی پہ جی رہی ہے
گنیش جی! تم سے پوچھتی ہے

گنیش جی! تم سے ہے یہ ونتی
لہو کے بیوپاریوں سے کہہ دو
کہ ماں کی ممتا سے قیمتی کوئی شے نہیں ہے

انہیں بتا دو
جوان بہنوں کے جسم مندر سمان ٹھہرے
جنہوں نے آدر کیا وہی تو مہان ٹھہرے
انہیں بتا دو
کہ ننھے بچے کھلے گلابوں سے کم نہیں ہیں
یہ تیر، ترشول، بم نہیں ہیں

گنیش جی! تم دیا کے ساگر
یہ تاج اور تخت کے گداگر
انہیں بھی تھوڑا محبتوں کا چلن سکھا دو
انہیں بھی حب وطن سکھا دو!
یہ شاعرہ جو تمہاری دھرتی پہ جی رہی ہے
گنیش جی! بس یہ چاہتی ہے!

☆☆☆

گومتی

شمع ظفر مہدی

1943-

میرے بچپن کی مری پیاری سہیلی گومتی
تجھ پہ کیا گزری ہے کہ تو یوں سمٹ کر رہ گئی

وہ تری مدھم سروں میں خوش بیانی کیا ہوئی
وہ تری بے ساختہ طرز روانی کیا ہوئی

شوخ رفتار پر تیری فدا تھا لکھنؤ
ہر قدم پر کہہ رہا نام خدا تھا لکھنؤ

کب بھلا اپنی حدوں میں اس طرح بہتی تھی تو
بے خودی میں سب کنارے توڑتی رہتی تھی تو

لکھنؤ والے ترے انداز کے دیوانے تھے
شمع کے مانند تھی تو سب ترے پروانے تھے

تیرے الہڑ پن کی وہ بے ساختہ مستانہ چال
جیسے آ جائے قلندر کو کسی محفل میں حال

جب کبھی لہریں شرارت پر تری آ جاتی تھیں
درمیان شہر بھی تب کشتیاں چل جاتی تھیں

شہر سے باہر تھی تیری تیز رفتاری فزوں
گھومتی اور موڑتی رہتی تھی اپنی چال تو

نیمہ شعبان کی راتوں میں آرائش تری
تیرتے بجروں سے روشن حسن و زیبائش تری

روشنی سے مانگ میں افشاں بھرے رہنا ترا
دونوں جانب زلف کا سایہ کیئے بہنا ترا

حسن کا تیرے اجالا تھا اودھ کی شام میں

دل کشی تیری تھی ساری لکھنؤ کے نام میں

شہر کی ساری کثافت یوں چھپا لیتی تھی تو
زخم دل پر ریشمی آنچل اڑھا دیتی تھی تو

اوڑھنی آب رواں کی پھینکتی رہتی تھی تو
رقص کرتی گرتی پڑتی بھاگتی چلتی تھی تو

تیرے فطری رقص کو زنجیر پا کس نے کیا
حسن بے پروا کو پابند حیا کس نے کیا

کیوں زمانے کے ستم اس طرح تو سہنے لگی
آنسوؤں کی نہر کے ساتھ کیوں بہنے لگی

☆☆☆

ا؎ 15 شعبان (شب برأت)

ابھید پ

کہکشاں تبسم

1960-

ہزاروں سال بیتے
مری زرخیز دھرتی کے سنگھاسن پر
براجے دیوتاؤں کے سراپے سانولے تھے
مگراس وقت بھی کچھ حسن کا معیاراونچا تھا
ہمالہ کی حسیں بیٹی انہیں بھائی
برندابن کی دھرتی پر
تھرکتی ناچتی رادھا
بسی تھی کرشن کے دل میں
انہیں بھی حسن کی منموہنی مورت پسند آئی
مگران کوخداہوتے ہوئے بھی یہ خبر کب تھی
کہ ان کی آنے والی نسل پران کا سراپا

بہت گہرا اثر ہے چھوڑنے والا
ہزاروں سال بیتے
مگر اب بھی ہماری سانولی رنگت
تراوردان ہو گویا
ہمارا ہمسفر بھی کسی پارو
کسی رادھا کا اندھا خواب
آنکھوں میں بسائے
لیے کشکول ہاتھوں میں
پھرے بستی کی گلیوں میں
ہم اب کس زعم میں پوجا کی تھالی میں
دیئے رکھ کر
تری چوکھٹ پہ آئیں
سر جھکائیں
اتاریں آرتی تیری
ہمارے بخت پر تیرا یہ شیامل رنگ
اک آسیب کی صورت مسلط ہے
ہم اب تو ڈر کے مارے
آئنوں سے منہ چھپائے پھر رہے ہیں

☆☆☆

یہ نفرتیں کیوں؟

ملکہ نسیم

1954-

یہ نفرتوں کی بنا جانے کس نے ڈالی ہے
محبتوں سے بھرا ہے وطن کا ہر ذرہ
ہوا چلے تو ہر اک گھر کو
زندگی دے دے
گھٹا جو برسے تو بنجر زمین ہری کر دے
بہار آئے تو دیکھے نہ شاہ اور نہ فقیر
گلوں کے رنگ سے دھرتی کی
گودیاں بھر دے
یہ نفرتوں کا چلن پھر کہاں سے آیا ہے؟
کبھی گھٹاؤں نے یہ بھید بھاؤ رکھا ہے
ہواؤں نے کبھی دیر و حرم کو پرکھا ہے؟
سحر کی دھوپ نہ سوچے کہاں نکلنا ہے

نہ چھاؤں دیکھے کسی راہ گیر کا منصب
تو پھر یہ زہر کی بوندیں کہاں سے آئی ہیں؟
کسی کے ساتھ ذرا دور چل کے دیکھو تو
کسی کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کے دیکھو تو
کسی کے درد کو پلکوں سے چن کے دیکھو تو
ہٹا دو آنکھوں سے پردے یہ نفرتوں کے اگر
سب ایک سا لگے کعبہ ہو یا کلیسا ہو
نہ کوئی رام کا مندر نہ بابری مسجد
نہ گردوارے کے در پر کسی کا پہرہ ہو
دلوں کو جھکنے جھکانے کا فن اگر آ جائے
جہاں سے تفرقہ بازی کا ہر چلن مٹ جائے
اشوکؔ و اکبرؔ و گوتمؔ نے فرق کب رکھا
چلے تھے جو ہرؔ و گاندھیؔ بھی ایک ساتھ سدا
لئے جواہرؔ و اقبالؔ پریم کی سوغات
یہ سچ ہے
نانک و چشتی کا خواب ایک ہی تھا
تو ان کے خوابوں کی تعبیر کیوں نہ سچ کر دیں
محبتوں سے زمانے میں روشنی بھر دیں

☆☆☆

ہم ہیں ہند کے شیدائی

مسعودہ حیات

اس دیس کی وادی میں ہر پھول مہکتا ہے
ہر قوم کے رہبر کا کردار لہکتا ہے
اپنا ہو کہ بیگانہ بلبل سا چہکتا ہے
ہر مذہب و ملت نے بھارت میں اماں پائی
ہم ہند کے رکھوالے ہم ہند کے شیدائی

اک امن و محبت کی تفسیر ہے یہ گلشن
ایثار و اخوت کی تصویر ہے یہ گلشن
تعمیر و ترقی کی تنویر ہے یہ گلشن
ہر گوشۂ بھارت ہے خود اپنا تماشائی
ہم ہند کے رکھوالے ہم ہند کے شیدائی

ہر فرد کو جینے کا انداز سکھا دیں گے
کیا شے ہے رواداری دنیا کو دکھا دیں گے
ہر نسل کے انساں کو ہم ایک بنا دیں گے
سورج کی کرن اب تو بادل سے نکل آئی
ہم ہند کے رکھوالے ہم ہند کے شیدائی

☆☆☆

راکھی

مسعودہ حیات

اس کے دھاگوں میں دل کے خزانے نہاں
اس کے پھولوں میں دریائے الفت رواں
یہ بہن بھائی کی چاہتوں کا نشاں
یہ ہے راکھی کا بندھن مرے بھائیو!

اس کی تصویر میں ہے عجب بانکپن
اس کی تاریخ میں ایکتا کا چلن
اس کی عظمت کا قائل ہے سارا چمن
یہ ہے راکھی کا بندھن مرے بھائیو!

صرف بندھن نہیں ایک پیمان ہے
بھائیوں کے دلوں کا یہ ایمان ہے
اپنی بہنوں پہ ہر بھائی قربان ہے
یہ ہے راکھی کا بندھن مرے بھائیو!

کی ہمایوں نے رکشا جو میواڑ کی
دشمنوں کو ہر اک موڑ پر مات دی
رکشا بندھن ہی کی یہ کرامات تھی
یہ ہے راکھی کا بندھن مرے بھائیو!

☆☆☆

رنگ برنگے موسم یادوں کے

عذرا نقوی

1952-

کتنے رنگ برنگے موسم یادوں کے
دل میں بیتے برسوں کی ہریالی ہے

چھپ کر بیٹھی اندر والے کمرے میں
گرم دوپہری خس کی خوشبو والی ہے
امی اونگھ رہی ہیں ہاتھ میں پنکھا ہے
بوا سے مہندی پاؤں میں لگوا لی ہے
خالہ نے ریشم سے ساڑی پر
کاڑھی نازک پھولوں کی اک ڈالی ہے
بھیا کی شادی کی باتیں ہوتی ہیں
لڑکی بھی تو گھر کی دیکھی بھالی ہے

رعب دار ساون تاؤ اودے نیلے
ساون بھابھی سبز دوپٹے والی ہے
دھان کے کھیتوں میں سارس کی جوڑی ہے
کہتے ہیں کہ ان کا پیار مثالی ہے
باجی نے آنگن میں جھولا ڈالا ہے
بچوں نے کاغذ کی ناؤ بنا لی ہے

صبح کو کہرے نے سرسوں کے کھیتوں میں
آبی رنگوں کی تصویر سجا لی ہے
دھوپ میں داد کرسی ڈالے بیٹھے ہیں
ہاتھوں میں ادرک کی چائے کی پیالی ہے
بچوں کا ڈیرا دادی کے بستر میں
کوئی کہانی نئی سنانے والی ہے

کتنے رنگ برنگے موسم یادوں کے
دل میں بیتے برسوں کی ہریالی ہے

☆☆☆

مرے خواب مجھے لوٹا دو

جشنِ آزادی مبارک ہو تجھے ارضِ وطن

جشنِ آزادی تجھے میرا سلام

یاد ہیں مجھ کو ابھی

اپنے بچپن کی وہ روشن صبحیں

جشنِ آزادی کے شاداں منظر

سارے وہ حبِ وطن کے نغمے

جن کے آہنگ پہ آنکھوں میں دیئے جلتے تھے

جن کے ہر لفظ پہ ایقان ہوا کرتا تھا

ایمان ہوا کرتا تھا

جشنِ آزادی میں قربان تری عظمت کے

آ ور کچھ تجھ سے نہیں مانگتی میں

بس مرے خواب مجھے لوٹا دے

وہ امیدوں کی وراثت مرے تابندہ خواب

وہ کہیں

بے یقینی کی گھنی دھند میں کھوئے ہوئے ہیں

جو کبھی میرے بزرگوں نے مجھے سونپے تھے

امن عالم کے، محبت کے، رواداری کے خواب

عام انسان کی عظمت کے، وفاداری کے خواب

اک نئے دور کی تیاری کے خواب

اے مری ارض وطن

مجھ کو لوٹا دے وہی

میرے پرکھوں کی وراثت وہی رخشندہ خواب

تا کہ میں اپنی نئی نسل کو بھی

ان کی امانت سونپوں

ان کی آنکھوں میں سجا دوں

وہ خوش آئندہ خواب

☆☆☆

خوشبوئے وطن

نصرت مہدی

-1970

ہر طرف مہکی ہوئی میرے چمن کی خوشبو
ہے فضاؤں میں اذانوں کی بھجن کی خوشبو
مجھ کو ورثے میں ملی گنگ و جمن کی خوشبو
میری ہر سانس میں بستی ہے وطن کی خوشبو

چھائی رہتی ہے مرے سر پہ گھٹاؤں کی طرح
ہاں یہ خوشبو ہے مری ماں کی دعاؤں کی طرح

دل کی دنیا ہوئی گل زار اسی خوشبو سے
شاعری ہے مری سرشار اسی خوشبو سے
ہے یہ رعنائی افکار اسی خوشبو سے
ہے معطر مرا کردار اسی خوشبو سے

ایک دن میں اسی خوشبو ہی میں کھو جاؤں گی
اوڑھ کر خاک وطن خاک میں سو جاؤں گی

☆☆☆

غزل

اے وطن تجھ پہ صدقے میری جان ہے، میری ساری وفائیں تیرے ساتھ ہیں
ہو زمانے میں اعلیٰ تیرا مرتبہ، ہر گھڑی یہ دعائیں تیرے ساتھ ہیں

اے میری سر زمیں، میرے ہندوستاں، ہو تیری خیر مہکے تیرا گلستاں
دل سے نکلی دعاؤں پہ آمین کی ہر طرف سے صدائیں تیرے ساتھ ہیں

تیری کھوئی ہوئی ایک جاگیر تک یعنی کنیاکماری سے کشمیر تک
خواب دیکھیں گے اس بار تعبیر تک سب کی سب آستھائیں تیرے ساتھ ہیں

سرحدوں پہ تھیں جن کی نگہبانیاں یاد کرتے ہیں ہم جن کی قربانیاں
ان شہیدوں کی پر عزم بہ حوصلہ ہمتوں والی مائیں تیرے ساتھ ہیں

☆☆☆

گلہائے عقیدت

سیدہ شان معراج

1948-

یوم آزادی نے یوں چھڑکا فضاؤں میں گلال
گلستاں سے بھینی بھینی خوشبوئیں آنے لگیں
تتلیاں اپنے پروں پر پا کے قابو ہر طرف
صحن گلشن کی روش پر رقص فرمانے لگیں

قمریاں میٹھے سروں کے ساز لے کر آ گئیں
بلبلیں مل جل کے آزادی کے گن گانے لگیں
گل سے اپنی نسبت دیرینہ کی کھا کر قسم
اہل دل کو عشق کے انداز سمجھانے لگیں

صبح دم باد صبا کی شوخیاں کام آگئیں
لالہ و گل کو بغل گیری کا موقع مل گیا
دیکھ کر اس دوستی کے پر فضا ماحول کو
ساری کلیاں ہنس پڑیں سارا گلستاں کھل گیا

لیکن اس دن کے لئے اے ہم نشینو دوستو!
کیسی کیسی بے بہا قربانیاں دینا پڑیں
خون دل دینا پڑا خون جگر دینا پڑا
اپنے خوابوں کی حسیں پرچھائیاں دینا پڑیں

آرزو میں تیری اے گلپوش شہزادی نہ پوچھ
کیسے عالم تاب سرداروں کے سر جاتے رہے
سرزمین ہند کو جنت بنانے کے لئے
کیسے کیسے دست و بازو کے شجر جاتے رہے

خیر اب ہم مطمئن یوں ہیں کہ جان آرزو
ہم نے کچھ کھو بھی دیا ہے اور کچھ پایا بھی ہے
کیسے کیسے عقل کو دے کر دلاسے جان جاں
روح کو تسکین دی ہے دل کو سمجھایا بھی ہے

اب یہی کوشش ہے دل سے اے مری ارض وطن
تیری پیشانی پہ اب کوئی شکن آنے نہ پائے
تو نے پہنی ہے جو آزادی کی مالا شوق سے
عمر بھر کوئی کلی بھی اس کی مرجھانے نہ پائے

اپنے گلہائے عقیدت پیش کرتی ہوں تجھے
مختصر یہ ہے محبت پیش کرتی ہوں تجھے

☆☆☆

صبحِ شبِ انتظار

سیدہ شانِ معراج

یہی وہ منزل مقصود ہے کہ جس کے لئے
بڑے ہی عزم سے اپنے سفر پہ نکلے تھے
اسی گھڑی کی تمنا میں جانے کتنے لوگ
جو بے خطا تھے مگر سولیوں پہ لٹکے تھے

یہ سوچتے تھے کہ وہ دن کبھی تو آئے گا
تمام حسرتیں دل کی نکل ہی جائیں گی
ہمارے پاؤں کی یہ بیڑیاں یہ زنجیریں
کبھی تو موم کی صورت پگھل ہی جائیں گی

کچھ اس طرح سے بڑھا دل میں ذوق آزادی
کہ رفتہ رفتہ تمنا جوان ہوتی گئی
کچھ اس طرح سے اٹھی ہر طرف سے وہ آندھی
جو اٹھتے اٹھتے خود اک آسمان ہوتی گئی

نگاہ کو تھی مگر میر کارواں کی تلاش
نظر جو اٹھی تو دیکھا کہ ایک مرد فقیر
کھڑا ہے حوصلۂ امن و آشتی لے کر
نہ کوئی خود بدن پر نہ ہاتھ میں شمشیر

چراغ راہ میں اس کے عمل سے جلنے لگے
لو آج صبح شب انتظار آ ہی گئی
فضا مہکنے لگی دل نواز پھولوں سے
دیار ہند میں فصل بہار آ ہی گئی

☆☆☆

حسن کا پیکر تاج محل

سیما فریدی

حسن کا پیکر تاج محل
عشق کا محور تاج محل

چاند کا ہمسر تاج محل
پتھر کا گھر تاج محل

پھول کا زیور تاج محل
روپ کا ساگر تاج محل

جاتے دن کی رعنائی
رات کا جھومر تاج محل

شاہجہاں کا سچا خواب
ماہ منور تاج محل

مسکن ہے ممتاز کا یہ
دلکش و دلبر تاج محل

ساری دنیا کا محبوب
جان سخنور تاج محل

وقت ملا تو دیکھیں گے
ہم تم مل کر تاج محل

سیمآ ہم وارث اس کے
اپنا مقدر تاج محل

☆☆☆

قطعہ

سیما فریدی

جشن جمہوریت کے ساتھ ہی اب
جشن انسانیت منائیں گے
پھول گلشن میں جیسے ہنستے ہیں
ایسے ہی ہم بھی مسکرائیں گے

☆☆☆

گنگ و جمن کی خوشبو

تبسم اعظمی

1968-

صبح دم آتی ہے اے ہند! ترے آنچل سے
حمد کی، نعت، کی، پوجا کی، بھجن کی خوشبو

دھڑکنوں نے یہاں چھیڑی ہے محبت کی غزل
ہے فضاؤں میں اخوت کے سمن کی خوشبو

تیرے دامن میں اجنتا و حسیں تاج محل
تیرے کھیتوں میں ہے دہقاں کے جتن کی خوشبو

تیرے جھرنوں سے ابھرتے ہیں ترانے دلکش
روح سرشار کرے دشت و دمن کی خوشبو

میر و غالب ہوں کہ اقبال یا چکبست و فراق
تیری مٹی میں بسی ان کے سخن کی خوشبو

رنگ کی، نسل کی، تہذیب کی ہے قوسِ قزح
ہے کہاں دہر میں یہ گنگ و جمن کی خوشبو

مجھکو غربت میں بھی احساسِ وطن ہوتا ہے
جب بھی لاتی ہے صبا میرے وطن کی خوشبو

تیری مٹی پہ تصدق ہیں دل و جان سبھی
بھول سکتے نہیں ہم تیرے من کی خوشبو

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی دھنک کھلتی رہے
سدا آباد رہے تیرے چمن کی خوشبو

☆☆☆

برسات

تبسم اعظمی

چھائی گھنگھور گھٹا، مہر بادل میں چھپا
مہکی مہکی ہے فضا، بہکی بہکی ہے ہوا
دی پپیہے نے صدا، مور بھی جھوم اٹھا
برق لہرانے لگی، شاخ بل کھانے لگی
لگی بارش کی جھڑی، پیاس دھرتی کی بجھی
پنکھ تتلی کے کُھلے، پھول اُپُون میں کھِلے
نکھرا نکھرا ہے چمن، ٹھنڈی ٹھنڈی یہ پوَن
بیل بوٹوں سے سجی، بھیگی بھیگی یہ ڈگر
مسکراتی ہے زمیں، اوڑھ کے دھانی چُنَر
کیا سہانا ہے سماں، سارا جل تھل ہے یہاں
بچے ہاتھوں میں لئے، ناؤ کاغذ کی چلے

کچھ بڑھے، پھسلے، گرے، قہقہے گونج اٹھے
بیلوں کو نادھے ہوئے، ہل کو کاندھے پہ دھرے
خوشی سے پھولے کسان، پڑ گئی آس میں جان

--

رنگ ساون کا جما، چھایا پُروا کا نشہ
پیڑوں پر جھولے پڑے، پیت کے گیت چھڑے
ٹولیاں گوریوں کی، کجریاں گانے لگیں
آسماں پر ہے دھنک، کچی مٹی کی مہک
رنگیں آنچل کی جھلک، چوڑی پایل کی کھنک
شوخ جذبوں کی لپک، میٹھے سپنوں کی چمک
سنگ تھوڑی سی کسک، بھیگی بھیگی ہے پلک
نینوں میں بیتے ہوئے، لمحوں کے عکس سجے

--

یاد پیہر کی جگی، دل میں اک ٹیس اٹھی
کیسے پہنچوں میں وہاں، سنگ سکھیوں کے جہاں
بیاہ گڑیا کا رچا، بیتا بچپن تھا مرا
صحن و دالان، چھتیں، در و دیوار و زمیں
راستہ، کوچہ، گلی، جھیل، تالاب، ندی
کھیت، کھلیان سبھی، جن سے گزری تھی کبھی

ڈھونڈتے ہونگے مجھے، کیسے بھولوں میں انھیں
چھلکے چھلکے سے نَین، پی کے آنگن میں دلہن
آنکھ چوکھٹ پہ دھرے، راہ بابل کی تکے
اماں جلدی سے ذرا، بھیجو بابل کو مرے
بیت جائے نہ کہیں، اب کے ساون بھی یہیں

☆☆☆

نذر رجے پور

نعیمہ جعفری پاشا

1954-

بہت سے سال ہوئے یہ کبھی مرا گھر تھا
جہاں پہ ہوش سنبھالا تھا یہ وہی در تھا
یہ صرف شہر نہیں ہے مرا وطن ہے یہ
ہے جس کی سانسوں میں خوشبو وہی چمن ہے یہ
یہاں خلوص بھی ہے خلق بھی بصیرت بھی
دلوں میں سادگی آنکھوں میں ہے مروت بھی
وہ اس کی ٹھنڈی ہوائیں، وہ اس کی برساتیں
وہ دن کی گرم تپش اور وہ سردسی راتیں
وہ ٹھنڈی چاندنی راتیں وہ گلابوں کی مہک
گلوں کے بوجھ سے جھکتی وہ ڈالیوں کی لچک
یہی وہ خاک ہے جس سے اٹھا خمیر میرا
یہی وہ خاک ہے جس نے دیا ضمیر میرا

اسی کی ریت میں رُل کر کھلا میرا بچپن
بنائے ریت کے گھر میں برسا جب ساون
میرے خوابوں نے اسی شہر میں پلنا سیکھا
دل کے موسم نے یہاں رنگ بدلنا سیکھا
چاندنی رات میں نغموں نے مچلنا سیکھا
میرے جذبات نے اشعار میں ڈھلنا سیکھا
کہ میری فکر پہ آیا تھا یہیں پر جوبن
میرے قلم نے بھی سیکھا تھا خودسری کا چلن
مجھ سے تو چھوٹ گیا اب نہیں آنا جانا
ہاں مگر دل نے میرے تجھ کو ہی اپنا مانا
تجھے سلام میرا اے میرے گلابی شہر
وہ تیرے باغ، تیرے محل اور تیرا انبر
بوئے خلوص سے مہکا رہے تیرا گلشن
بہار سے کبھی خالی نہ ہو ترا آنگن

☆☆☆

مارہرہ

اسنیٰ بدر

1971-

بان کی پلنگوں پر جب پھوار پڑتی ہے
چارپائی سیدھی سی کس قدر کڑکتی ہے

ہاتھ سے بنے تکیے ہ نے لگتے ہیں
پام کے بڑے پتے سرسرانے لگتے ہیں

بارش اپنی بے باکی پاؤں کو دکھاتی ہے
دھوپ سب کے چہرے کو شال سے بچاتی ہے

کیسی دلکشا خوشبو کیاریوں سے آتی ہے
فاختہ کہیں بیٹھی دور سے بلاتی ہے

ملگجی منڈیروں پر بیل چڑھنے لگتی ہے
مالتی کی ٹہنی سے شام جھڑنے لگتی ہے

ساتھ والی چچی کے گھر سے زردہ آتا ہے
کان میں پہننے کو تازہ بیلا آتا ہے

خالہ بی غرارے کو تھام کر نکلتی ہیں
باجیاں سہیلی سے چھت پہ جا کے ملتی ہیں

شنو اپنی گڑیا کا بیاہ جب رچاتی ہے
ایک بھائی قاضی ہے دوسرا براتی ہے

بانٹتی دری چادر بارہا بگڑتی ہے
ننھی منی فرحانہ جب سہ پارہ پڑتی ہے

نیرہ کی ہنڈکلیا بھیا نے اڑا لی ہے
پہر بھر پکی کھچڑی لمحہ بھر میں کھا لی ہے

شوکت اپنے تکیے پر ریڈیو بجاتا ہے
آئے دن صبح اٹھ کر سب سے ڈانٹ کھاتا ہے

بھائی جان کوٹھے پر رنگ برش چھپاتے ہیں
خالہ زاد بجیہ کو جانے کیوں دکھاتے ہیں

لڑکیوں نے کھڑیا سے نقش جو بنائے ہیں
ان سے کھیلنے والے ہر طرف سے آئے ہیں

اماں جی سروتے سے چھالیہ کترتی ہیں
رشتوں کے مسائل پر روز بات کرتی ہیں

تخت پر بچھی چادر عائشہ نے کاڑھی ہے
پھول ہیں شگوفے ہیں پتیاں ہیں جھاڑی ہے

لکڑیوں کے چولہے سے اک دھواں سا اٹھتا ہے
پھنکنی کون چھوتا ہے اور کہاں یہ رکھتا ہے

سارا صحن بستا ہے روٹیوں کی خوشبو سے
اور بگھار لگتا ہے جیسے مشک آہو سے

کنڈی کھول کر دیکھو کیا گلی میں سائل ہے
فاتحہ کے حلوے پر بلی کب سے مائل ہے

چائے کیتلی میں ہے طشتری ہے پیالی ہے
نانا کے سرہانے کی پھر صراحی خالی ہے

ابا جی کے آنے کا وقت ہونے لگتا ہے
چاندان کی کلیہ شیفو دھونے لگتا ہے

جھولا جیسی کرسی میں بانو کھو چکا کب کا
لال ٹین کا شیشہ صاف ہو چکا کب کا

بچیاں وضو کر کے نل سے پانی بھرتی ہیں
جانماز کا کونا نانی ٹھیک کرتی ہیں

☆☆☆

ا۔ یوپی کا ایک قصبہ ہے۔

ایسا ہندوستان

قمر سرور

1975-

آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان
پیار کا ہو قانون جہاں اور، سب کا ہو سمان

انسانوں میں پھیل رہا ہے نفرت کا آزار
دین دھرم میں بانٹ رہے ہو الفت کا سنسار
دل کا شیشہ ٹوٹ گیا تو، روئے گا بھگوان
آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان
آزادی کے جشن میں ہم سب مل کر قسمیں کھائیں،
ذات دھرم سب پیچھے چھوڑیں ہم آگے ہو جائیں،
پیار محبت دیکھ کے دنیا، ہوجائے حیران
آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان

اس دھرتی میں ہندی اردو جیسے میٹھے بول،
اس دھرتی میں کیوں نہیں گونجے گیت غزل انمول،
اس دھرتی میں میر و غالب، تلسی اور رسکھان
آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان

نفرت تیری سانسوں کی سب، کٹ جائے گی ڈور
پیار محبت کا ہی منظر، ہوگا چاروں اور
بس دل کی آنکھوں سے پڑھ لو، گیتا اور قرآن
آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان

گوتم کا گیان یہی ہے اور چشتی کا ہے مان
مریم کی لاج یہی ہے اور مِیرا کی ہے شان
اس کی مٹی میں بستی ہے، رشی منی کی جان
آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان
آزادی کا رنگ لئے ہے سکھیوں کی ٹولی
آؤ! مل جل کر کھیلیں ہم خوشیوں کی ہولی
رنگ برنگے پھول قمر ہیں بھارت کی پہچان
آؤ! ہندوستان بنائیں، ایسا ہندوستان

☆☆☆

نغمۂ اتحاد

شبانہ نذیر

-1954

آج ہے ساقی یہ میخانے میں کیسا انتشار
تشنہ دل ہیں تشنہ لب ہیں آج تیرے مے گسار

میکدے میں اور تفریق مذہب کا خیال
چشتی و نانک کی روحیں کر رہی ہیں یہ سوال

نور سے روحانیت کے تھے سدا لبریز جام
کیسے بدلا یہ چلن؟ کس نے بگاڑا یہ نظام

جشن آزادی منایا تھا یہ کل کی بات ہے
یہ شہیدانِ وطن کے خون کی سوغات ہے

بسملؔ و اشفاقؔ کے نغموں کی یہ تفسیر ہے
نہروؔ و آزاد کے خوابوں کی یہ تعبیر ہے

لڑکے آپس میں نشیمن کو جلانا ہے حرام
اپنے ہاتھوں اپنی ہستی کو مٹانا ہے حرام

بادۂ حب وطن کی بزم میں چھلکائیں جام
مندر و مسجد کا ہو سب کے دلوں میں احترام

☆☆☆

وادیٔ گل

شبانہ نذیر

یہ سر زمیں جس کو دست قدرت نے مثل باغ جناں بنایا
پہاڑ کے قلب کو سجا کر بہار کا آشیاں بنایا

وہ جس کی جھیلوں میں تیرتے ہیں محبت اور پیار کے شکارے
سکون دل ہیں قرار جاں ہیں وہ جس کے دلکش حسیں نظارے

رشی، منی، صوفی، سنت، دامن میں جس کے فطرت سے لو لگائیں
سکوں کا مسکن جہاں گپھائیں، جہاں مقدس ہیں خانقاہیں

وہ سبز وشاداب وادئ گل، کہ جس کے باغات رشک جنت
وہ جس کے پھولوں میں بوئے الفت، ہوائیں جس کی غبار نکہت

غضب ہے! دہشت پرست آ کر سکون اس کا مٹا رہے ہیں
خدا نے جس کو بنایا جنت یہ اس کو دوزخ بنا رہے ہیں

اب اس کی پرنور چوٹیوں سے ٹپک رہی ہیں لہو کی بوندیں
اب اس کے فرزند نوحہ گر ہیں کہ زخم دل کے کسے دکھائیں

یہ امن کی سرزمیں ہے اس پر کبھی نہ ہم آنچ آنے دیں گے
نئی صدی ہے نئے قلم سے بہار کی داستاں لکھیں گے

☆☆☆

گیت

فوزیہ ربابؔ

1988-

ہمارا ہندوستان

پیار محبت امن ترقی یہ ہے خواب ہمارا
اللہ سوہنے پیاری دھری ہے احسان تمہارا
اپنی اس دھرتی پر اپنی جاں بھی ہے قربان
نہ تیرا نہ میرا دیکھ ہمارا ہندوستان

اک دوجے کا دکھ سکھ بانٹیں بانٹیں ہر سو پیار
نفرت دل سے دور کریں ہم بن جائیں دلدار
ختم کریں دل کی دوری کو مشکل ہو آسان
نہ تیرا نہ میرا دیکھ ہمارا ہندوستان

جیون جیون آس میں بیتا کب سب ایک ہو جائیں
مذہب فرقوں سے نکلیں اور سب انساں کہلائیں
پھر دیکھیں دنیا میں اپنی دھرتی کی اک شان
نہ تیرا نہ میرا دیکھ ہمارا ہندوستان

باغوں میں اک کوئل بولے پیار کے گیت سنائے
ہر باسی اس دیس کا جگ میں اس کا نام بنائے
اپنا پیارا دیس ہمارا ہے اپنی پہچان
نہ تیرا نہ میرا دیکھ ہمارا ہندوستان

اب توربابؔ نے آنکھوں میں بھی سپنا ایک سجایا
دیس کی خاطر مر مٹنے کا دل میں عزم جگایا
ایک نہیں یہ لاکھوں جانیں ہوں اس پر قربان
نہ تیرا نہ میرا دیکھ ہمارا ہندوستان

☆☆☆

قطعات

مینو بخشی

1955-

نہ تخت و تاج ملک و مال دینا
نہ سیم و زر نہ درولعل دینا
وطن کے عشق میں مرجاؤں جو میں
مرے تن پر ترنگا ڈال دینا

ہمیں نفرت نہیں ہرگز گوارا
مثالی ہے ہمارا بھائی چارہ
نہیں کثرت میں جو وحدت کے قائل
وہ آ کے دیکھ لے بھارت ہمارا

بھڑکا رہے ہیں آگ جو مذہب کے نام پر
ایسوں کی بات میں نہ کبھی آیئے گا آپ
اللہ قاتلوں سے تو ہوتا نہیں ہے خوش
ہر سمت اس پیام کو پہنچایئے گا آپ

ذرا سن لو ہمارے نوجوانو!
جو تم سے کہہ رہی ہوں ہے حقیقت
غلامی جھیلنی پڑتی جو تم کو
سمجھتے تم بھی آزادی کی قیمت

کارگل کے شہیدوں کے نام

پروین کیف

1956-

کیا شہید جوانوں کو دل نے جھک کے سلام
زباں پہ آیا ہے جب جب بھی کارگل کا نام

وطن کو اپنا لہو دے کے روشنی دی ہے
انہیں جوانوں نے ہم سب کو بیخودی دی ہے
ملی جو فتح تو ہم کو بہت خوشی دی ہے
کیا شہید جوانوں کو دل نے جھک کے سلام
زباں پہ آیا ہے جب جب بھی کارگل کا نام

بہادری سے جواں اپنے کامیاب ہوئے
سپاہی سارے زمانے میں انتخاب ہوئے
ہمارے ملک کے دشمن شکست یاب ہوئے
کیا شہید جوانوں کو دل نے جھک کے سلام
زباں پہ آیا ہے جب جب بھی کارگل کا نام

تمہارا نام سبھی لوگ لیں گے عزت سے
ہمیشہ یاد کریں گے تمہیں محبت سے
ڈریں گے دشمن تمہاری ہمت سے
کیا شہید جوانوں کو دل نے جھک کے سلام
زباں پہ آیا ہے جب جب بھی کارگل کا نام

جو چھپ کے وار کرے گا وہ مارا جائے گا
وہ بزدلوں کے لقب سے پکارا جائے گا
بلندیوں پہ تو پرچم ہمارا جائے گا
کیا شہید جوانوں کو دل نے جھک کے سلام
زباں پہ آیا ہے جب جب بھی کارگل کا نام

یہ مانتی ہوں کہ دنیا کی زندگی ہے حسیں
ہمیں ہے اپنے جوانوں پہ فخر اے پرویںؔ
بہادری پہ ہمیشہ کیا ہے ان کی یقیں
کیا شہید جوانوں کو دل نے جھک کے سلام
زباں پہ آیا ہے جب جب بھی کارگل کا نام

وہ ستارے

شائستہ یوسف

1952-

صدیوں کی غلامی باغی ہوئی
ساحل پر نمک کی پہاڑی سے
آفتاب کی کرنوں نے
ستیہ گرہ کو نمسکار کیا
چرخوں پر امید کے جو شیلے
سفید دھاگے کھدر کی پوشاک میں دمکے
ہند کے ست رنگی متوالے نکلے
یکجہتی کی تلواروں نے
نفرت کی زنجیریں کاٹ دیں
فلک پر گونجتی صداؤں نے گہری رات
کا سینہ چیرا

ستاروں کی کہکشاں زمیں کے چمن میں اتری

پھولوں نے ستاروں کو رنگوں سے بھر دیا

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ

محبت بھری امن وامان کی صدائیں گونجیں

انسانیت کے ستاروں نے پھولوں کے رنگ سے پرچم رنگا

اور بھارت کا جھنڈا لہرایا

آج ڈھونڈتی ہیں ہماری آنکھیں

یکجہتی کے ان ستاروں کو

جو ترنگے کے رنگوں میں چمکتے رہے

کاش کوئی دلوں کی تاریکی دور کرے

الفت کی کرن سے ہمارے دلوں کو روشن کردے

☆☆☆

ماہیے

الفت شاکر

رشیوں کی یہ دھرتی ہے
بھارت کی فضاؤں میں
کستوری مہکتی ہے

☆☆☆

خواجہ کا خطاب آیا
دیوؤں کی بھجاؤں میں
پشکر سے گلاب آیا

☆☆☆

اونچا یہ ہمالہ ہے
دشمن سے لڑیں کیوں ہم
رکھ یہ ہمارا ہے

☆☆☆

پنگھٹ کی بہاریں ہیں
کچھ چھاؤں میں پیپل کی
جھولوں کی قطاریں ہیں

☆☆☆

بھارت ہے مہان اپنا
کرتی ہیں ہوائیں بھی
سنئے تو بکھان اپنا

☆☆☆

پس نوشت

خسرو فاؤنڈیشن: ایک نئی پہل

ہندوستان، جنت نشان جس نازک دور سے گزر رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہندوستان جو مذہبی، لسانی اور تہذیبی تکثیریت کا ملک ہے اور کثرت میں وحدت سے جس کی پہچان ہوتی ہے اور اس عظیم ملک کی تاریخ کا ہر دور انسان دوستی کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے، جس میں شکتی اور شانتی بھگتوں کے گیتوں کا نتیجہ ہے اور ہندوستان ہمیشہ اس بات کا گواہ رہا ہے کہ دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے۔

پتہ نہیں ہندوستان کو کس کی نظر لگ گئی کہ سماجی قربتیں، فاصلوں میں بدلنے لگیں ہیں۔ اس دیس کے باسیوں کی بڑی تعداد اگرچہ آج بھی اس عدم اتفاق اور تفریق کا حصہ بننے کو تیار نہیں لیکن غالب ترین اکثریت بھی اگر خاموش رہے تو وہ اس کے وجود کو عدم میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اب زیادہ تر لوگ اپنی ذات کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ غم زمانہ کی جگہ درد تنہا سے دو چار ہیں اور وہ انسان جو کبھی ضمیرِ دشت و دریا تھا آج اسیرِ آشیانہ بنا ہوا ہے۔ زخموں کے تاجر، نفرتوں کے بیوپاری، دہشت و وحشت کے کاروباری ہندوستانی سماج کو اپنی دانست میں چھن بھن کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہا جا سکتا اور اس لئے

ضروری ہے کہ ایک بار پھر ان تمام علامتوں کو زندہ کیا جائے جو ''محبتوں کی گاتھا'' اور ''پریم کے ڈھائی اکچھر'' سے لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑے رہے جن کے نزدیک مادرِ وطن، وہاں پیدا اور بسنے والے، اس کے دریاؤں کا پانی پینے والے، اس کے کھیتوں میں پیدا ہونے والے رزق سے اپنی بھوک مٹانے والوں کو پھر اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کا مذہب، زبان اور علاقہ کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن ماں اور ماٹی سے ان کا رشتہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کی مرضی کا نتیجہ ہے اور جس میں رب راضی اس میں سب راضی رہیں، تو ہی بہتری اور بھلائی ہے۔

ہندوستان میں ایک دوسرے کو جوڑنے والوں کا اگر ذکر کیا جائے تو ان کے نام اور کام گنانے میں کوئی دیر نہ لگے گی لیکن اگر ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے الگ کرنے والوں اور بانٹنے والوں کے نام کسی سے پوچھے جائیں تو اسے ان کے نام یاد کرنے اور بتانے میں بڑی مشکل آئے گی۔

اس سب کے باوجود آج پھر یہ دوریاں، یہ ٹکراؤ اور یہ تشدد بار بار کیوں دیکھنے کو مل رہا ہے؟ اس کا سیدھا سادھا جواب یہی ہے کہ ہم نے انہیں بھلا دیا ہے جنہیں ہمیں یاد رکھنا چاہیے۔ دیوی دیوتاؤں، پیغمبروں، پیروں اور رشیوں مُنیوں کے تیاگ، تپسّیا، سمرپن اور سیوا بھاؤ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے سندیش اور اپدیش ایک دفعہ پھر لوگوں تک پہنچائے جائیں۔

یہی وہ سوچ اور فکرمندی ہے جس کے تحت ''خسرو فاؤنڈیشن'' کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ حضرت امیر خسرو ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی وہ محبوب، دلنواز اور ہمہ گیر شخصیت ہیں جنہیں صدیاں گزر جانے کے باوجود یاد رکھا گیا اور ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ بیک وقت صوفی بھی تھے اور سپاہی بھی، وہ شاعر بھی تھے اور ماہرِ موسیقی بھی، وہ

مؤرخ بھی تھے اور تاریخ ساز بھی۔ غرض ان کی شخصیت کی عبقریت نے ان کو گوں ناگوں صفات کا حامل اور ہمہ جہت پہلوؤں سے اس طرح متصف کیا کہ عہد وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ میں بڑے بڑے نامیوں کے نشان مٹ گئے لیکن جب سے آج تک نہ صرف ہماری تاریخ کے جز بلکہ انسانی ذہنوں میں زندہ و تابندہ ہیں۔ مسرت کے لمحے ہوں یا یاس و غم کی گھڑیاں، خسرو کا نام اور کلام ہمہ وقت اپنی جاذبیت اور آفاقیت کے ا رسے ہمارے ساتھ ہے۔

اس گتھی کو تو ماہرینِ نفسیات ہی سلجھا سکتے ہیں کہ خسرو نے کس طرح حال و قال، جنگ و جدل، سوز و ساز، خانقاہ اور دربار کے درمیان توازن برقرار رکھا۔ یہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ انہوں نے یہ توازن اپنی شخصیت کے کھرے پن کے ساتھ قائم کیا تھا۔ ان کی ہر وابستگی اور ہر رول کھلی کتاب کی طرح سب پر عیاں تھا اور اس کھلے پن کے تعلقات کے باوجود زندگی بھر کامیاب رہے۔ صدق بہ تدبّر کی مثالیں امیر خسرو کی شخصیت کو ہمارے لئے اور بھی آئیڈیل بناتی ہیں۔

اس ہندوستانی ''ترک نژاد'' کی وطن دوستی نہ صرف مثالی، بلکہ قابلِ رشک بھی ہے۔ خسرو کے نزدیک یہ سرزمینِ ہند عدن کی جنت، یہاں کے لوگ ہر رنگ میں انہیں عزیز، یہاں کے درباروں کے آگے ایران، توران، خراسان کے دربار ہیچ۔ یہاں کے لوگ ہر صنعت، علم و ادب کی ہر شاخ، فنونِ لطیفہ کے ہر میدان اور عسکری تربیت کے ہر انداز میں ''بے نظیر'' اہلِ ہند کا توحیدی مسلک انہیں باوجود ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے عزیز ہے۔ وہ ہیں کہ اگرچہ وہ (یعنی اہلِ ہند) ہمارے جیسا دین نہیں رکھتے، مگر ان کے اکثر عقیدے ہمارے جیسے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہندوستان، ہندوستان کی ہر روایت

چاہے وہ مذہبی ہو چاہے تہذیبی، ثقافتی ہو یا لسانی، علمی ہو یا ادبی، اس کو خسرو کی طرح دیکھیں، اپنائیں، اس پر صدقے اور واری جائیں۔ خسرو جن کی ماں ہندی اور باپ ترک تھے، ایسے ہندوستانی ہیں جو ہندوستان کی عظمت کے ترانے ہی نہیں گاتے بلکہ وہ اپنے آپ کو اس مٹی کا اس طرح حصہ بن جانا چاہتے ہیں جیسے یہ مٹی ہی سب کچھ ہو اور جس سے تعلق اور محبت کو الطاف حسین حالؔی نے یوں بیان کیا کہ:

تیری اک مشتِ خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

خسرو فاؤنڈیشن وطن دوستی، انسان دوستی، فطرت سے ہم آہنگی، ہر طرح کی تفریق چاہے وہ فرقہ وارانہ ہو یا جنسی سب سے اوپر اٹھ کر محبت کو عام کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے کہ بقول شیخ ابراہیم ذوقؔ:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(ممبران بورڈ آف ڈائریکٹرس)

پروفیسر اختر الواسع — روہت کھیڑا

سراج الدین قریشی — رنجن مکھرجی